معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپیے فی شمارہ سات روپیے

پاکستان میں سالانہ دوسو روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس. ایم. کالج. اسٹریچن روڈ. کراچی

• سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں. بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں،

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

• رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے. اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا.

• خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں.

• معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی.
کمیشن ۲۵٪ ہوگا. رقم پیشگی آنی چاہیے.

جلد ۱۶۳ ماہ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۹۹ء عدد ۵

فہرست مضامین

شذرات

بی۔ جے۔ پی بڑے فخر سے کہتی ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں ملک میں فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوئے اگر اس کے اسباب اور مسلمانوں کے عقیدہ و مذہب، زبان، تہذیب، تشخص، تعلیم، درس گاہوں اور عبادت گاہوں وغیرہ کے تعلق سے بی۔ جے۔ پی کی جانب سے مسلمانوں کو مسلسل پہنچنے والی ذہنی و دماغی اذیتوں سے قطع نظر کرلیا جائے تو یہ دعویٰ تمام تر نہ سہی بڑی حد تک درست ہی کہا جائے گا۔ ذرا خیال کیجئے ان بھیانک فسادات کا جو کانگریس جیسی سیکولر جماعت کی حکمرانی کے ۴۴۔۴۵ برسوں میں ملک میں ہوتے رہے اور جن میں بے دریغ مسلمانوں کا قتل عام اور ان کی عورتوں کی بے آبروئی ہوتی رہی۔ یہ ذکر برسبیل تذکرہ آگیا ہے۔ ہمارا دل تو اس وقت ننگا اور اس پر رو رہا ہے کہ عین عاشورہ کے روز خود مسلمانوں ہی کے دو گروہ لکھنؤ اور بعض دوسرے مقامات پر معرکہ آرا ہو کر اپنی جان و مال کا اتلاف کر بیٹھے۔ ان کی ان بن ہندوستان ہی تک محدود نہیں ہے پاکستان، افغانستان اور دوسرے ملکوں میں بھی دونوں فرقوں کی خوں ریزی سے امت محمدیہ کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے پھر دوسروں کے گلے اور شکوے کیوں کیجیے ع سعدی از دست خویشتن کند فریاد

کہا جاتا ہے کہ دونوں فرقوں کے ناسمجھ، ناعاقبت اندیش اور غیر ذمہ دار قسم کے پُرجوش نوجوان یہ حرکتیں کرتے ہیں جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے، اکثریت صلح پسند لوگوں کی ہے، سوال یہ ہے کہ یہ لوگ حالات کے بدتر ہونے کے وقت کہاں روپوش ہو جاتے ہیں اور کیوں مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، قرآن مجید نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے "پس کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی امتوں میں سے ایسے حاملین حق ہوتے جو زمین پر فساد برپا کرنے سے روکتے" (ہود ۱۱:۱۱۶-۱۱۷) ہمارے زمانے کے یہ "اولو بقیہ" اپنے فرقے کے مشتعل اور تشدد پر آمادہ نوجوانوں کو روکنے اور ان کی غلطیوں کا اعتراف کرنے کے بجائے ان کی پچ کرتے اور دوسرے فرقہ پر جا و بے جا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ خطا کاروں اور مجرموں کی خواہ وہ اپنے ہی فرقے کے کیوں نہ ہوں بے جا حمایت و مدافعت سے منع کیا گیا ہے "اور تم بدعہدوں کے حمایتی نہ بنو۔۔۔ اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو

اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔" (نساء ۴: ۱۰۵ و ۱۰۷) اور یہ بھی کہا گیا کہ "کسی قوم کی دشمنی کہ اس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے اس بات پر نہ ابھارے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔" (مائدہ ۵: ۲)

خدا کے لیے دونوں فرقوں کے ذمہ دار اور درد مند علما و زعما اٹھیں، اپنے اپنے فرقوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر کم سمجھ اور جذبات میں مشتعل ہونے والے جوانوں کو امت محمدیہ سے کھلواڑ کرنے سے باز رکھیں۔ انہیں حالات کی نزاکتوں اور اختلاف و تفرقہ کے نقصانات سے آگاہ کریں اور اپنی قیادت کو قوم و ملت کے مفاد پر قربان کر دیں، اخلاص سے مسلسل کوشش کی جائے تو متنازع امور طے ہو جائیں گے اگر ظاہری رسوم چھوڑ دینے سے مسلمانوں کا اتحاد قائم ہو جائے تو یہ کیوں نہیں کیا جاتا، ممکن ہے فرقہ شیعہ کے نزدیک عزاداری کا جلوس ضروری ہو، مگر دوسرے فرقے کی دل آزاری، تبرا اور اشتعال انگیز نعروں سے تو بچا جا سکتا ہے، جس کے بعد سنیوں کو معترض نہیں ہونا چاہیے رہا مدح صحابہ کا جلوس تو یہ سُنی لوگوں کے دین و ایمان کا جزء نہیں، اگر فقہی تاویلوں سے اسے مستحسن بھی قرار دیا جائے تو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے یہ غیر منصوص مستحسن کام چھوڑا جا سکتا ہے، بابر نے ہمایوں کو گائے کی قربانی نہ کرنے کی وصیت کی تھی اور اب ہندوستان کے مسلمان اس جائز کام کو کلی طور پر چھوڑے ہوئے ہیں، لکھنؤ اور دوسری جگہوں کے جھگڑوں میں اتر پردیش کی حکومت کی غفلت و بے پروائی اور انتظامیہ کی سستی اور نااہلی کا بھی بڑا دخل ہے۔ یہ سیاست دانوں کے گھناؤنے فعل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس کا موقع ان کو کون دے رہا ہے؟

اردو والوں کے لئے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا قیام فال نیک ہے۔ پروفیسر محمد شمیم جیراج پوری کے بہ قول "یہ بلاشبہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اردو داں حضرات کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے" یونیورسٹی کا مقصد اردو کی ترقی و ترویج اور اس کا ذریعۂ تعلیم اردو ہے، وہ روایتی اور فاصلاتی طریقوں کو اختیار کر کے پیشہ ورانہ اور فنی تعلیم و تربیت اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کے خواہاں لوگوں کے لئے وسیع مواقع فراہم کرے گی اور تعلیم نسواں پر خصوصیت سے اپنی توجہ مبذول کرے گی، ان مقاصد کے حصول کے لیے ملک کے اندر اور باہر ذیلی مراکز

بھی قائم کرے گی۔ اس سے قبل یونیورسٹی کے قیام کا خیر مقدم اور پروفیسر محمد شمیم جیراج پوری کے شیخ الجامعہ مقرر کیے جانے پران صفحات میں مبارک باد دی جاچکی ہے اور یہ التماس بھی کیا جاچکا ہے کہ اردو والے یونیورسٹی سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں، اس نے فاصلاتی طریقہ اختیار کرکے اور اہلیتی ٹسٹ کے ذریعہ داخلہ کی سہولتیں مہیا کرکے عربی مدارس اور اسلامی درسگاہوں کے طلبہ کے لئے جو زریں موقع فراہم کیا ہے اس کو ضایع نہیں کرنا چاہیے۔

گذشتہ ماہ اردو یونیورسٹی نیوز لیٹر ہمیں موصول ہوا۔ یہ یونیورسٹی کی کارکردگی سے واقف کرانے کے لئے جاری کیا گیا ہے، پروفیسر محمد سلیمان رجسٹرار کی رپورٹ میں یونیورسٹی کی اب تک کی پیش رفت اور آیندہ منصوبوں کا تذکرہ ہے، پہلے کورس کے طور پر بی۔ اے سال اول اردو میڈیم بذریعہ فاصلاتی نظام کے شروع ہونے کا ذکر ہے، جس کے تحت راست اور اہلیتی ٹسٹ کے ذریعے داخلے کی سہولت مہیا کی گئی۔ یکم نومبر ۹۸ء کو مختلف ۱۸ مراکز پر امتحانات دینے والے ۲۲ سو طلبہ میں ساٹھ فیصد خواتین تھیں، راست اور اہلیتی امتحان کے ذریعے ڈھائی ہزار سے زائد طلبہ و طالبات کے داخلے مکمل ہو چکے ہیں۔ ٹرانسلیشن ڈویژن لائبریری۔ ڈائرکٹوریٹ برائے تعلیم نسواں اور دہلی، بنگلور اور پٹنہ کے علاقائی مراکز میں ہو رہے کاموں کا ذکر بھی رپورٹ میں ہے۔ یونیورسٹی نے حیدرآباد میں ۱۱ نومبر کو مولانا آزاد کا یوم پیدائش منایا اور ہر سال یہ جشن اس موقع پر منانے کا فیصلہ کیا۔ بڑی مشکل اردو میڈیم کتابوں کی دستیابی ہے جس کا پورا احساس منتظمین کو ہے اور انہوں نے اس کے حل کے لئے بعض اقدامات بھی کیے ہیں، پروفیسر محمد شمیم ایک اولوالعزم حوصلہ مند اور فعال شخص ہیں، اگر ان کے عزم مصمم اور سعی پیہم سے یہ دشوار مرحلہ طے ہوگیا تو ان کے جد بزرگوار مولانا محمد اسلم جیراج پوری کا یہ شعر ان پر صادق آئے گا۔

سعی پیہم ہے نشانِ قیس و شان کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کوہسار

مقالات

قرآنی محاورات اور استعارات

از حافظ منیر احمد خاں *

(۲)

التوبہ

۱۱۳۔ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (۵) پس چھوڑ دو ان کا راستہ (یعنی پھر ان سے نہ لڑو)۔

اردو میں بھی راستہ چھوڑنا۔ راستہ دے دینا مستعمل ہیں۔

۱۱۴۔ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ (۷) پس جب تک وہ تمہارے لیے سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔

سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں
کاٹی ہے ہم نے یونہی اوقات زندگی کی (انشا)

۱۱۵۔ وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین باوجود کشادہ ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی۔

اسی سورہ کی (۱۱۸) آیت ملاحظہ ہو: زمین تنگ ہوجانا یعنی سخت پریشانی کا وقت آنا

فارسی میں بھی محاورہ ہے:

ع ملک خدا تنگ نیست، پائے مرا لنگ نیست

۱۱۶۔ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے

---

* ۲۔ پراٹی یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ)

نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ (۳۲) — منھ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا۔

نور کو بجھانا، روشنی کو ختم کرنا ان کافروں کا مقصد تھا۔ سورۃ الصف ۸ میں بھی یہی مضمون ہے۔ اردو میں مولانا ظفر علی خاں نے عمدہ ترجمہ کیا ہے:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

۱۱۷۔ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (۳۸) — جس وقت تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہو جاتے ہو۔

زمین پر بوجھل ہونا یعنی جگہ سے نہ سرکنا۔ پاؤں جما کر بیٹھ جانا۔

ع بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں (غالب)

آتے آتے وہ ادھر کیوں آج تھم کر رہ گئے — کیا کہیں رستے میں ان کے پاؤں تھم کر رہ گئے (ظفر)

۱۱۸۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (۴۰) — اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور اللہ کی بات وہی بلند ہے۔

اللہ کی بات یعنی اللہ کا دین مراد ہے۔ بات نیچی ہونا۔ بات نیچی پڑنا۔ بات اونچی ہونا۔ بول بالا ہونا سب محاورے ہیں۔

ترے عہد ستم میں اس کا کیا ذکر — فلک کی بات بھی نیچی پڑے گی (ریاض)

سرو بالا کا ترے وصف جو کہتا ہے ظفر — سب میں بات اس کی ہے اے غیرت گلشن

۱۱۹۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ (۶۷) — اور بند رکھیں اپنی مٹھی۔

منافقوں کا ذکر ہے کہ وہ خرچ کرنے کے صحیح موقعوں پر مٹھی بند رکھتے ہیں۔ تنگ دلی اور

اور بخل کرنا۔ صحیح مترادف ہے۔

غنچے کی مٹھی میں زر ہے، پر نہیں دست کرم — تنگیٔ دل اور ہے اور تنگ دستی اور ہے (ظفر)

فارسی میں تنگ چشمی بھی ہے۔

۱۲۰۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۸۰) — آپ ان کافروں کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بخشش مانگیں تب بھی ہرگز نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو۔

ستر کا لفظ اردو میں بھی مستعمل ہو گیا ہے۔

نکلے پہلو میں ہر اک نام کے ستر ستر — نہ ملی بعد فنا گور میں بھی جا خالی (آتش)

۱۲۱۔ وَاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا (۹۲) — اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں۔

تفیض، امنڈ کر نکلنا، پھوٹ بہنا مقصود ہے۔ سورۃ المائدہ ۸۳ میں آیا ہے۔ وہ صحابۂ کرام جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے تھے لیکن استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے غم کرتے تھے ان کا یہ ذکر ہے۔ پھوٹ بہنا اردو میں ہے:

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں — رونے کی طرف کس لئے یہ ٹوٹ پڑی ہیں (درد)

۱۲۲۔ رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۱۱۰) — ان کے دلوں میں (کانٹے کی طرح) کھٹکتا رہے گا۔

۱۲۳۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ (۱۱۰) — مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

یہ مطلب نہیں کہ بعد فناد موت کے راحت ہو جائے گی۔ بلکہ یہ محاورات میں کنایہ ہے دوام حسرت سے (بیان القرآن)

۱۲۴۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ (۱۱۸) اور وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے۔

(النحل (۱۲۷) دیکھیں۔ اکتانا۔ عاجز آنا۔

یونس

۱۲۵۔ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا (۱۲) اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پڑا ہوا یا بیٹھا، یا کھڑا ہوا یعنی ہر حالت میں۔

اردو میں بھی اٹھتے بیٹھتے محاورہ ہے۔

الفت کا تیری بھرتے ہیں دم اٹھتے بیٹھتے
کرتے ہیں آہ و نالہ جو ہم اٹھتے بیٹھتے (ظفر)

ھود

۱۲۶۔ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ (۵) یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کئے دیتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں۔

یعنی وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس ہیئت سے باتیں کرتے ہیں کہ گویا اللہ کو بھی خبر نہ ہو۔ سینوں کو دہرا کرنا ان کی ہیئت کا اظہار ہے جو اخفائے راز کے لیے محاورہ ہے۔

۱۲۷۔ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ (۳۱) اور میں نہیں کہتا ان کی نسبت (تمہاری طرح) کہ جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں۔

یعنی جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہوں ان کی نسبت (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ حقارت سے دیکھنا۔ نفرت ظاہر کرنا مترادف ہیں۔ فارسی کا مشہور شعر ہے:

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

۱۲۸۔ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا (۱۱۳) اور (اے مسلمانو) ظالموں کی طرف مت جھکو

یہاں ظالموں کی طرف جھکاؤ رکھنا، ان سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۲۹۔ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ (۱۲۰) جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں (جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں)

دل کا ثبات۔ دل کا ٹھہراؤ۔ دل کی تسلی اس سے مفہوم ہے۔

یوسف

۱۳۰۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ (۸۴) اور غم سے ان کی (یعقوب علیہ السلام کی) آنکھیں سفید ہو گئیں۔

انتہائی غم کی وجہ سے آنکھوں کا روتے روتے سفید ہونا مشہور ہے۔

ہے یہی گریہ تو پھر کیسی بصارت اے اسیر
ایک دن کر دیں گے آنکھوں کو نری آنسو سفید

۱۳۱۔ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ (۹۹) انہوں نے (یوسف علیہ السلام نے) اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی۔

یعنی ان کو تعظیماً اپنے قریب بٹھایا۔ (اور ان کو تخت شاہی پر اونچا بٹھایا)

الرعد

۱۳۲۔ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ (۱۴) (جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے، مگر اس کی طرح جو پانی کے آگے اپنی ہتھیلیاں

پھیلائے بیٹھا ہے کہ اس کے منہ میں

پہونچ جائے اور وہ ہرگز نہ پہونچے گا

پانی اس کی درخواست کیا قبول کرے گا۔؟ یعنی بے معنی کام۔ لاحاصل کام۔ ایسے

سے توقع رکھنا جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو۔

۱۳۳۔ وَيَقْطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ	اور جس کے جوڑنے کو اللہ تعالیٰ نے
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (۲۵)	فرمایا اسے توڑتے ہیں۔

جوڑنا توڑنا اردو میں بھی مستعمل ہے۔ گسستن و پیوستن فارسی میں ہے۔

۱۳۴۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ	مٹاتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اور
وَيُثْبِتُ (۳۹)	ثابت رکھتا ہے (جس کو چاہتا ہے)

وہ جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے (لوح محفوظ میں) اور جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔

نوشتہ تقدیر (لکھا ہوا) فارسی کا اور اردو میں مستعمل ہے۔

ظفر ہے دانش و تدبیر کا لکھا مٹتا — مگر نہیں کبھی تقدیر کا لکھا مٹتا

ابراھیم

۱۳۵۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ	آئے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں
بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ	لے کر، پھر لوٹائے انہوں نے اپنے ہاتھ
اَفْوَاهِهِمْ (۹)	اپنے منہ پر۔

یہاں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے غصے سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔

بعض کہتے ہیں کہ فرط تعجب سے منہ پر ہاتھ رکھ لئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ پیغمبروں کی باتوں

پر ہنسی دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اپنے فوائد میں لکھتے ہیں کہ "جیسے ہمارے محاورات میں کہتے

ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماردی"۔ یعنی عطائے تو بلقائے تو۔

اے طالب حق، جیفۂ دنیا سے نہ رکھو میل۔ جو ہاتھ لگے مار اُسے مردار کے منہ پر۔

(منیر شکوہ آبادی)

۱۳۶۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے
بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ	رب سے ان کے عمل ہیں جیسے وہ
اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ	راکھ کہ زور کی چلے اس پر ہوا
عَاصِفٍ (۱۸)	آندھی کے دن۔

یہاں کافروں کے عمل کو راکھ سے تعبیر کیا گیا ہے جسے آندھی اڑا لے جائے "برباد کرے"۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (اقبال)

۱۳۷۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ	اور مثال گندی بات کی، جیسے درخت
كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ	گندہ کہ اکھاڑ لیا اس کو زمین کے اوپر
فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ	سے۔ کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ۔

کلمۂ کفر کو اس درخت سے تشبیہ دی ہے جو زمین کی سطح پر قائم ہو اور ذرا سے

اشارے میں اکھڑ جائے۔

قیام ارنڈ کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو — کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

۱۳۸۔ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ	ان کو صرف اس روز تک مہلت دے
فِيْهِ الْاَبْصَارُ (۴۲)	رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی آنکھیں
	پھٹی رہ جائیں گی۔

آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہ بھی محاورہ ہے۔

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی — کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی (حالی)

۱۳۹۔ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ (۴۳)	اور ان لوگوں کے دل ہوا ہوں۔

یعنی حیرت اور دہشت سے ان کی عقل اور ہوش ٹھکانے نہ رہیں۔ اردو میں دل اڑ جانا

جی اڑ جانا محاورے ہیں

کنگھی جو زلف میں کی، دل اڑ چلا نکل کر — کہتے ہیں وہ سحر نے کھویا شکار میرا (سحر لکھنوی)

کوچۂ دشمن سے یہ آتی نہ ہو یارب کہیں — جی اڑا جاتا ہے کچھ باد صبا کو دیکھ کر (داغ)

۱۴۰۔ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ	اور اگرچہ ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے
مِنْهُ الْجِبَالُ (۴۶)	پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائیں۔
	ٹل جائیں۔

اردو میں بھی ہے:

چھاتی پہ گر پہاڑ ہوں وے تو ٹل سکے — مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے (درد)

الحجر

۱۴۱۔ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ	ایسے ہی ہم اس ہنسی کو ان مجرموں
الْمُجْرِمِينَ (۱۲)	کے دلوں میں راہ دیتے ہیں۔

دل میں راہ دینا بھی محاورہ ہے۔ دل میں جگہ دینا۔ دل میں بٹھانا بھی اسی طرح ہیں۔

فارسی میں کوچہ دادن بولتے ہیں۔

۱۴۲۔ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ (۱۸)	مگر جس نے چرا لیا سننے کو۔

یعنی جو چوری سے سن بھاگا (فرشتوں کی باتیں، شیاطین چھپ کر سن لیتے ہیں۔

بات اڑا لیتے ہیں) بات لے اڑنا۔ چپکے سے بات لے جانا مستعمل ہیں۔

۱۴۳۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ	اور مومنین کے لئے آپ اپنا بازو
(۸۸)	جھکا دیجئے۔

سورہ بنی اسرائیل (۲۴) اور الشعراء (۲۱۵) بھی ملاحظہ ہو: بازو جھکانا۔ بازو بچھانا۔

یعنی انتہائی نرمی سے پیش آنا۔ جھک کر ملنا۔

۱۴۴۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ	اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی
يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ (۹۷)	باتوں سے آپ دل تنگ ہوتے ہیں۔

الشعراء (۱۳) وغیرہ دیکھیں۔ دل تنگ ہونا۔ پریشان ہونا مترادف ہیں۔

النحل

۱۴۵۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ	بے شک ان سے اگلوں نے فریب کیا تھا
قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ	تو اللہ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے
الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ	ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی
مِنْ فَوْقِهِمْ (۲۶)	(یعنی جنھوں نے مکر کیا تھا ان کو مکمل
	تباہی ملی)

بہت عمدہ استعارہ بھی ہے اور واقعہ بھی۔

۱۴۶۔ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ	چھپتا پھرتا ہے قوم سے اس چیز کی
سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ (۵۹)	برائی کی بنا پر جس کی بشارت اس کو
	سنائی گئی۔

تواری یعنی چھپنا، پوشیدہ ہونا شرمندگی کی وجہ سے۔ اردو میں بھی اسی طرح آتا ہے۔

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے (غالب)

۱۴۷- وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ (۷۷) اور قیامت کا حال پلک جھپکنے جیسا ہے۔

یعنی جھٹ پٹ ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا۔ اردو میں پلک جھپکنا۔ فارسی میں چشم زدن مستعمل ہے۔

۱۴۸- وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (۹۲) اور اس عورت کی طرح مت ہوجاؤ جس نے قوت کے بعد اپنے کاتے ہوئے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ یعنی اپنی کی کرائی محنت کو برباد کر دیا۔

یہاں مومنین کو قسم کے بارے میں سمجھایا گیا ہے کہ اپنی بات کو قسم سے مضبوط کرتے ہو اور پھر خود ہی اسے باطل کر دیتے ہو۔ تم اس عورت کی طرح ہو جو خود ہی کاتتی ہے اور جب سوت مضبوط ہوجاتا ہے تو اسے خود ہی توڑ ڈالتی ہے۔ اردو میں بالکل اسی طرح بولتے ہیں کہ اس نے بڑی محنت کی لیکن اس کا کاتا کوتا کپاس ہوگیا۔

۱۴۹- فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (۹۴) پس پھسل جائے قدم جم جانے کے بعد

عربی کا مشہور محاورہ ہے، پاؤں پھسل جانا۔ غلطی ہونا۔ لغزش ہونا کا مترادف ہے۔

۱۵۰- وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا (۱۰۶) اور جو دل کھول کر کافر ہو۔

الزمر (۲۲) میں یہ ایمان کے لئے آیا ہے۔ دل کھول کر، جی بھر کے (پوری رغبت سے)

بنی اسرائیل

۱۵۱- اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (۷) اگر تم بھلا کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا۔

مقولے کی طرح یہ کلام مقبول ہے۔

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے (غالب)

۱۵۲- وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ (۱۳) اور ہر آدمی کا اعمال نامہ ہم نے اس کی گردن میں لگا دیا۔ یعنی اس کے لئے لازم کر دیا۔

گلے بندھنا گلے پڑنا گلے کا تعویذ۔ گلے کا ہار وغیرہ محاورے ہیں۔

اب تو گلے بندھا ہے زنجیر و طوق ہونا عشق و جنوں کے اپنے ناموس دار ہیں ہم (میر)

۱۵۳- وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (۱۵) اور نہیں بوجھ اٹھاتا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا۔

یعنی ایک کے گناہوں کی گٹھری دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جاتی۔ بوجھ اٹھانا۔ بوجھ بٹانا مستعمل ہیں۔

۱۵۴- فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (۱۹) پس ایسے لوگوں (ایمان والوں) کی یہ سعی مقبول ہوگی۔

سعی یعنی دوڑنا۔ جلدی کرنا۔ دوڑ دھوپ۔ مجازاً کوشش۔ جدوجہد۔ سعی مشکور۔ مشہور محاورہ ہے۔ دین میں تصحیح نیت[1]، تصحیح عمل[2]، تصحیح عقیدہ[3] سے مقبولیت سمجھی جاتی ہے۔

۱۵۵- وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا

إِلَىٰ عُنُقِكَ (۳۰) ہوا نہ رکھ۔

یعنی غایت بخل سے اپنا ہاتھ بالکل روک نہ لیا جائے۔ عربی محاورہ ہے۔

۱۵۶- وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (۳۰) اور نہ (اپنا ہاتھ) پورا کھول دے۔

یہاں اسراف سے مراد ہے۔ اردو میں کھلا ہوا ہاتھ (ہاتھ کھلنا) سخاوت کے لئے بولتے ہیں۔ لیکن زیادہ کھول دینا بے شک اسراف ہے۔

۱۵۷- وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (۳۶) اور اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔

یعنی جس بات کی تجھے تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر۔ پیچھے پڑنا۔ مسر ہونا۔ عام محاورہ ہے۔

۱۵۸- وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ (۸۳) اور جب ہم نعمت عطا کریں انسان کو تو وہ ٹال جائے اور بچائے اپنا پہلو۔

پہلو بچانا اردو میں بھی ہے۔

ہر سخن میں گرچہ سو پہلو بچاتا ہوں میں
آرزوئیں ٹپکی پڑتی ہیں مری تقریر سے (داغ)

الکہف

۱۵۹- فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ (۶) کہیں تو گھونٹ نہ ڈالے اپنی جان کو ان کے پیچھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ آپ کی بات اگر کفار نہ مانیں تو آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو نہ گھلائیں۔ کسی کے پیچھے جان ہلکان کرنا۔ جان کھپانا عام محاورہ ہے۔

۱۶۰- وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (۱۴) اور ہم نے گرہ دے دی ان کے

دلوں پر۔

القصص (۱۰) بھی دیکھئے۔ ربط اور مضبوطی ان کے دلوں پر کر دی۔ ڈھارس بندھائی۔

ڈھارس سی کچھ اسے ہم قدم تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

۱۶۱- وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ (۲۸) اور اپنی جان ان سے مانوس رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں

یعنی ایسے لوگوں کو آپ طویل مجالست کا شرف بخشئے۔ (اپنی جان کو کسی کے ساتھ روکے رکھنا عربی محاورہ ہے)

۱۶۲- وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۲۸) اور نہ دوڑیں آپ کی آنکھیں ان کو چھوڑ کر۔

سورہ طہ (۱۳۱) میں یہ دوسرے موقع کے لئے آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنے غریب مخلصین کو چھوڑ کر دولت مند لوگوں پر آنکھیں نہ دوڑائیں۔ (ان کی پروا نہ کریں۔)

۱۶۳- فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا (۴۲) پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا (ہاتھ ملتا) اس مال پر جو اس میں لگایا تھا۔

ہاتھ نچانا۔ ہاتھ ملنا۔ کف افسوس ملنا محاورے عام ہیں۔

طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں (حالی)

۱۶۴- وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا (۵۱) اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا۔

القصص (۳۵) بھی ملاحظہ ہو۔ عضد بازو کو کہتے ہیں۔ مجازاً قوت۔

۱۶۵- اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ (۱۰۱)
(کافر، جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر بھی اس کو بھلا بیٹھے تھے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا۔

اگر غفلت کا پردہ ہم اٹھاتے اپنی آنکھوں سے ۔۔۔ تو جو واں دیکھتے یاں دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے (ظفر)

مریم

۱۶۶- وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا (۴)
اور سر سے بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا۔

قرآن کا بے مثل محاورہ ہے جس کا ترجمہ آسان نہیں۔

یہ سُن کر وہ شعلہ بھبھوکا ہوئی ۔۔۔ لگی کہنے ہے ہے، بلا کیا ہوئی (میر حسن)

۱۶۷- وَقَرِّیْ عَیْنًا (۲۶)
اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔

الفرقان (۷۴) القصص (۹-۱۳) ملاحظہ ہو۔ آنکھیں ٹھنڈی رکھنا۔ آنکھوں کی ٹھنڈک وغیرہ اردو میں بھی بولتے ہیں۔

۱۶۸- قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ (۴۷)
کہا سلام تجھ پر۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور کہا دور ہو جا میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لئے تو ابراہیم علیہ السلام نے رخصت یا متارکت کا سلام کیا۔

اردو میں بھی بولتے ہیں کہ فلاں بات یوں ہے تو ہمارا سلام لو۔

مغز میرا اڑ گیا ناصح، نصیحت کو سلام ۔۔۔ سدھارو گھر کو، میں کرتا ہوں حضرت کو سلام (ظفر)

۱۶۹- لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (۸۹)
بے شک تم حد کی بھاری بات لائے۔

یعنی سخت بری بات جو ناگوار ہو۔

۱۷۰- تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا (۹۰)
(اللہ تعالیٰ کی شان میں کتنی سخت گستاخی ہے کہ لوگ کہیں کہ اس کے اولاد ہے)۔ بعید نہیں کہ (اس گستاخی پر) ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات پر اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر

اردو میں بھی بددعا کے طور پر بولتے ہیں کہ خدا کا غضب ہو۔ آسمان ٹوٹ پڑے۔

۱۷۱- اَوْ تَسْمَعُ لَھُمْ رِکْزًا (۹۸)
یا ان کی بھنک سنتے ہو؟ (ان کی دھیمی آواز بھی نہیں آتی)

یہ کنایہ ہے کہ وہ سب بے نام و نشان ہو گئے۔

طٰہٰ

۱۷۲- فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ (۱۲)
پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔

مقدس مقام پر تعظیم کے لئے ایسا کرنا ہمارے معاشرے میں داخل ہے۔

۱۷۳- قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (۲۵)
عرض کی اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔

یعنی میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔

۱۷۴- وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ (۲۹) ھٰرُوْنَ اَخِی (۳۰) اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ (۳۱)
(موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا) اور دیدے مجھے ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا، ہارون میرا بھائی، اس سے مضبوط کر کمر میری۔

بھائی کو بندِ کمر بھی کہتے ہیں۔

بولے حسینؓ بند کمر ٹوٹا جاتا ہے　　دیکھو جوانو قاتلِ عباسؓ آتا ہے (دبیر)

بھائی کو قوتِ بازو بھی کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ الکہف ۵۱۔ اور سورۃ القصص ۳۵ میں ہے۔

۱۷۵۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (۳۹)　　اور تاکہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو

یعنی میری نگرانی میں پرورش پائے۔

۱۷۶۔ فقولا لہٗ قولاً لیّناً (۴۴)　　پس اس سے نرم بات کہنا۔

یعنی اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔

۱۷۷۔ وَنَحْشُرُ المجرمِیْنَ یَوْمَئِذٍ　　اور ہم مجرموں کو اس دن اٹھائیں گے

زُرْقاً (۱۰۲)　　کہ کرنجے ہوں گے۔

یعنی وہ نہایت بدصورت ہوں گے کہ آنکھوں سے کرنجے ہوں گے۔ جو بدترین الوانِ چشم ہے۔ بدصورتی کی علامت کرنجے ہونا ہے۔

۱۷۸۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عن ذِکْرِی　　اور جو شخص میری اس نصیحت سے

فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکاً (۱۲۴)　　اعراض کرے گا تو اس کے لئے زندگانی

تنگ ہے۔

ایسے شخص کو دنیا میں بھی سکون نہیں ہوتا۔ لاکھوں روپیہ ہو لیکن اللہ کو چھوڑ دینے سے اس کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔

۱۷۹۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ　　اور مت اٹھا اپنی آنکھیں اس چیز پر

اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ اَزْوَاجاً مِّنْہُمْ　　جو فائدہ اٹھانے کو ہم نے کافروں کے

زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنیا (۱۳۱)　　جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے۔

یعنی دنیا میں کافروں کو جو قسم قسم کے عیش و نعم کے سامان دیے ہیں ان کی طرف آپ کبھی

نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔ آنکھ اٹھا کر دیکھنا یعنی خاطر میں نہ لانا عام محاورہ ہے۔

گردوں کو آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے ہیں ہم　　اس جام بے شراب کی مٹی خراب ہو (اسیر)

الانبیاء

۱۸۰۔ مَا یَاْتِیْھِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنْ　　کوئی نصیحت نہیں پہونچتی ان کو ان کے

رَبِّھِمْ مُحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ　　رب سے مگر اس کے سننے میں کھیل

وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ (۲)　　میں لگے ہوئے ہیں۔

یعنی کھیل میں اڑا دیتے ہیں اور کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک　　اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے (غالب)

۱۸۱۔ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ　　کیوں پھنستے ہو (اس کے) جادو میں

تُبْصِرُوْنَ (۳)　　آنکھوں دیکھے۔

چند ظالموں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہا کہ وہ تو تم جیسے انسان ہیں انہوں نے کوئی جادو والا کلام پیش کیا ہے۔ تو آنکھوں دیکھے ان کے جادو میں کیوں پھنستے ہو۔ آنکھوں دیکھے غلطی کرنا۔ مصیبت میں پڑنا وغیرہ محاورے ہیں۔

۱۸۲۔ حَتّٰی جَعَلْنٰھُمْ حَصِیْداً　　حتیٰ کہ ہم نے ان کو (ایسا نیست و

خٰمِدِیْنَ (۱۵)　　نابود) کر دیا جیسے کھیتی کٹ گئی ہو

اور آگ ٹھنڈی ہو گئی ہو۔

ختم ہو جانے کی تمثیل ہے۔

۱۸۳۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلٰی　　یوں نہیں، بر ہم پھینک مارتے ہیں

الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ　　سچ کو جھوٹ پر۔ پس وہ اس کا بھیجا

زاھِقٌ (۱۸) نکال دیتا ہے (سر پھوڑ دیتا ہے) پھر وہ باطل جاتا رہتا ہے۔ (یہاں تباہ کر دینا مراد ہے۔)

پتھر پڑے تقدیر پر اے جوشش وحشت ٹکڑے مرے سر کے ہوئے بھیجا نکل آیا (منیر شکوہ آبادی)

۱۸۴۔ کُلٌّ فِی فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۳) سب کے سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

مزید سورۂ یٰسین (۴۰) ملاحظہ ہو، فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لیے اس کے مدار کو فلک فرمایا۔

کُلٌّ فِی فلكٍ (مقلوب مستوی)

ع رات دن گردش میں ہیں سات آسماں (غالب)

گردش سے پھر کئی استعارے دگردش۔ گردش کرنا۔ گردش میں آنا وغیرہ) بن گئے۔

۱۸۵۔ وَوَھبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً (۷۲) اور ہم نے بخشا اس کو اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگا تھا تو پوتا بھی مل گیا۔ انعام میں یا منافع میں ملنا بھی محاورہ ہے۔

۱۸۶۔ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۹۷) پھر اس دم اوپر لگی رہ جائیں گی منکروں کی آنکھیں۔

فوائد میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ "جزا و سزا کا وعدہ جب نزدیک آلگے گا تو اس وقت منکروں کی آنکھیں شدت ہول سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر

دستِ حسرت ملیں گے"۔ آنکھیں اوپر کو لگ جانا۔ چھت کو لگ جانا۔ محاورہ ہے۔

۱۸۷۔ یومَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (۱۰۴) جس دن (قیامت میں) ہم لپیٹ لیں آسمان کو جس طرح لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ۔

اس مثال کے مطابق اردو میں طومار باندھنا اور کھولنا۔ دفتر بند کرنا، تہ کرنا۔ مکتوب لپیٹنا وغیرہ مستعمل ہیں۔

مثنوی ہجر نے لکھی مرے افسانے کی کیوں بڑھا حرفِ محبت جو یہ طومار بندھے

الحج

۱۸۸۔ فَھِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا (۴۵) پس وہ (بستیاں) گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر۔

یہیں سے فارسی اور اردو میں تہ و بالا ہو جانا محاورہ بنا ہوگا۔ جو صحیح ترجمہ بھی ہے اور ترجمانی بھی۔

دونوں عالم ہوئے تہ و بالا تم تھے پردے میں کس قیامت کے (امیر مینائی)

۱۸۹۔ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُھُمْ (۵۴) پس نرم ہو جائیں اس کے آگے ان کے دل۔

یہاں مومنوں کا ذکر ہے کہ اگر شیطان شبہات بھی پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو علم (سمجھ) عطا ہوتا ہے اور اس طرح ان کے دل اور نرم ہو جاتے ہیں۔

۱۹۰۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اور جب ان پر ہماری روشن آیات پڑھی جائیں تو تم ان کے چہروں پر

المنکر (۷۲) بگڑنے کے آثار دیکھو گے جنھوں نے کفر کیا۔

ناگواری کی وجہ سے چہروں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ تیور بدل جاتے ہیں۔

رنگ چہرے کا یاں بدلنے لگا آنکھ تیری جہاں ذرا بدلی (ناسخ)

المومنون

۱۹۱۔ فجعلنٰھم غثاءً (۴۱) پس ہم نے انھیں گھاس کوڑا کر دیا۔

گھاس کوڑا۔ کوڑا کرکٹ یعنی تباہ و برباد کر دیا۔

۱۹۲۔ فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ھم المفلحون (۱۰۲) پس جس کا وزن (پلہ۔ ایمان کا) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔

پلہ بھاری ہونا، غالب ہونا، زیادہ قدر و قیمت والا ہونا مترادف ہیں۔

۱۹۳۔ ولا تکلمون (۱۰۸) اور مجھ سے بات مت کرو۔

ڈانٹ دیتے ہوئے کہا جاتا ہے (بے تعلقی کے اظہار کے لیے) انگریزی میں SHUT UP

النور

۱۹۴۔ والذین یرمون المحصنٰت (۴) اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو۔

یرمون (رمی سے مضارع جمع مذکر غائب) رمی یعنی تیر وغیرہ پھینکنا۔ مجازاً تہمت لگانا۔

۱۹۵۔ والقواعد من النساء (۶۰) اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں۔

بوڑھی عورتیں کمزوری کی وجہ سے گھر میں بیٹھی رہتی ہیں قواعد کا مصدر (قعود ہے)

یعنی عمارت کی بنیادیں، کیونکہ وہ بھی جمی ہوئی ہوتی ہیں۔

۱۹۶۔ قد یعلم ما انتم علیہ (۶۴) اللہ بے شک جانتا ہے جس پر تم ہو۔

یعنی جس حال میں ہو۔

الفرقان

۱۹۷۔ انظر کیف ضربوا لک الامثال (۹) آپ دیکھیے کہ وہ کیسی کہاوتیں آپ کے لئے بناتے ہیں۔

آپ دیکھیے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔ باتیں بنانا، باتیں گھڑنا، کہاوت (کہانی) جوڑنا مترادف ہیں۔

۱۹۸۔ ویقولون حجراً محجوراً (۲۲) اور کہیں گے (الٰہی ہم میں اور ان میں کوئی آڑ کر دے رکی ہوئی۔

الفرقان (۵۳) بھی ملاحظہ ہو۔ آڑ، پناہ اور بچاؤ کے لئے مجرم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسی التجا کریں گے۔ محجور روکا ہوا۔ ممنوع۔ حجر کے اصلی معنی ہیں کسی جگہ کے گرد بطور فصیل کے پتھر لگانا۔

۱۹۹۔ فجعلنٰہ ھباءً منثوراً (۲۳) پس ہم (کفار کے اعمال نیک کو بھی) باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح) کر دیں گے۔

یعنی جو کسی کے کام نہ آسکیں۔ بالکل بے قیمت۔

ع۔ جو کسی کے کام نہ آسکے وہ میں ایک مشت غبار ہوں (ظفر)

۲۰۰۔ ویوم یعض الظالم علٰی اور جس دن ظالم (نہایت حسرت سے)

يَدَيْهِ (۲۷) — اپنا ہاتھ کاٹ کھائے گا (کہ کاش میں رسولؐ کا ساتھ لیتا)

آل عمران (۱۱۹) میں انگلیوں کے پور کاٹنے کا ذکر ہے۔ غصے یا حسرت میں ہاتھ کاٹنا اردو میں بھی مستعمل ہے۔ فارسی میں لب گزیدن آتا ہے۔

الشعراء

۲۰۱۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (۳) — (غم کی وجہ سے) کہیں آپ خود کو ہلاک کر دیں (جان پر کھیل جائیں)

الکہف (۶) میں بھی یہ گزرا ہے۔ غم کی وجہ سے خود کو ہلاک کرنے والا باخع کہلاتا ہے۔
جان پر کھیلنا۔ جان کھپانا۔ جان ہلکان کرنا۔ اسی کے مترادف ہیں

۲۰۲۔ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (۸۴) — اور بنا دے (میرے لئے) میری سچی ناموری پچھلوں میں۔

یعنی بعد والوں میں میری ایسی تعریف ہو کہ اسے غلط بیانی پر محمول نہ کر سکے۔ (مفردات)

۲۰۳۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيمُونَ (۲۲۵) — کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں

میدان (وادی) میں حیران پھرنا (یعنی خیالی باتوں میں مشغول رہنا) عربی محاورہ ہے۔

النمل

۲۰۴۔ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (۴۰) — میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے (پلک جھپکنے آنکھ جھپکنے سے پہلے)

پلک جھپکنا۔ آنکھ جھپکنا اردو میں بھی بولتے ہیں۔

۲۰۵۔ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ (۸۲) — اور جب بات (قیامت کے آنے کی) ان پر آپڑے گی۔

یعنی جب قیامت آنے کو ہوگی (بالکل قریب) واقعہ ہونے کو ہوگا۔

۲۰۶۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا (۸۳) — اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر گروہ میں سے ایک فوج۔

الفتح (۲) بھی ملاحظہ ہو: فوج سے مراد بڑی تعداد۔

القصص

۲۰۷۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى (۱۴) — اور جب وہ اپنی جوانی کو پہونچا اور پورے زور پر آیا (یعنی قوت جسمانیہ وعقلیہ درست ہوئی)

(لیکن استوی علی العرش، اللہ تعالیٰ کے کامل قبضہ واقتدار کے لیے ہے۔ فوائد القرآن میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی بحث دیکھیں) اوپر کی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کے چڑھنے کا ذکر ہے۔

۲۰۸۔ فَقَضٰى عَلَيْهِ (۱۵) — پس (موسیٰ علیہ السلام نے) اس کا کام تمام کر دیا۔

قضاء کے اصلی معنی ہیں کسی کام کا فیصلہ کر دینا خواہ قول سے یا فعل سے۔ پورا کرنا بھی (القصص ۲۸-۲۹) مجازاً موت کے لئے مستعمل ہے۔

ع لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے (ذوق)

فارسی میں ہے۔ ع قضائے نبشتہ نباید سترد

۲۰۹- یَتَرَقَّبُ (۱۸-۲۱) اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے۔

راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔

رَقَبۃٌ گردن کو کہتے ہیں۔ تَرَقَّبُ کے معنی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھنے کے ہوئے جو انتظار کے لئے ہو۔ فارسی میں راہ داشتن (انتظار کرنا) مستعمل ہے۔

۲۱۰- فَعَمِیَتْ عَلَیْھِمُ الْاَنْبَآءُ یَوْمَئِذٍ فَھُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ (۶۶) پس اس دن ان پر خبریں اندھی ہوجائیں گی تو وہ کچھ پوچھ گچھ نہ کریں گے۔

یعنی اس دن ان کے ذہن سے سارے مضامین گم ہوجائیں گے تو وہ نہ خود سمجھیں گے اور نہ آپس میں پوچھ گچھ کرسکیں گے۔ خبریں اندھی ہوجائیں گی، عربی محاورہ ہے۔

۲۱۱- وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا (۷۷) اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت کے لئے جانا) نہ بھول۔

یعنی آخرت درست کرنے کے لئے دنیا میں کچھ کر۔

؎ خبرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

(سعدی)

العنکبوت

۲۱۲- اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا (۴) یا یہ سمجھے ہوئے ہیں وہ جو برے کام کرتے ہیں کہ وہ ہم سے آگے آجائیں گے۔

یعنی ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے۔ بچ کر چلے جائیں گے۔ (مجازاً)

۲۱۳- سِیْٓءَ بِھِمْ وَضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا (۳۳) ان کی وجہ سے ناخوش ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا۔

سِیْٓءَ، سوء سے ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ ناخوش ہوا۔ ناگواری محسوس کی۔

۲۱۴- وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ (۴۱) اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر۔

مکڑی کا جالا بہت کمزور ہوتا ہے اس لیے بہت کمزور چیز کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مشرکین اپنے کمزور اور بودے خداؤں کی پناہ ڈھونڈتے ہیں، حالانکہ وہ خود بے حقیقت ہیں۔

۲۱۵- وَیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِھِمْ (۶۷) اور ان کے آس پاس والے لوگ اچک لیے جاتے ہیں۔

یہاں اچک لئے جانے سے مراد ہے کہ (مکہ معظمہ کے گرد و پیش کے لوگ) بھگائے جارہے ہیں۔ نکالے جارہے ہیں۔

الرُّوم

۲۱۶- کَذٰلِکَ کَانُوا یُؤْفَکُوْنَ (۵۵) اسی طرح الٹے چلا کرتے تھے۔

افک کے معنی کسی چیز کو صحیح رُخ سے پھیرنا۔ افک کے معنی "صحیح رُخ سے پھری ہوئی چیز"۔ مجرم لوگ صحیح رُخ سے پھر کر جارہے تھے۔

۲۱۷- وَلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ (۶۰) اور آپ کو سبک (ہلکا) نہ کردیں وہ جو یقین نہیں رکھتے۔

کافروں کی طرف سے خواہ کیسی ہی بات پیش آئے آپ برداشت کریں (یہ ابتدائے اسلام میں حکم تھا)

لقمٰن

۲۱۸- کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْہِ وَقْرًا (۷) جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ ہے۔

یعنی بالکل نہیں سنتا (وقراً بہت سی آیتوں میں ہے۔ سورۃ الانعام ۲۵ سے یہ لفظ آرہا ہے)

(باقی)

سہسوان کے تاریخی آثار

از ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب٭

سہسوان مغربی اتر پردیش کی روہیلکھنڈ کمشنری کے ضلع بدایوں کی تحصیل سہسوان کا قدیم قصبہ ہے جو مدت مدید سے کیوڑے کی کاشت اور عطر سازی کے لئے مشہور ہے۔

کوٹ سہسترا باہو سہسوان کی تاریخی قدامت کی شہادت ان آثار سے ملتی ہے جو قصبے میں موجود ہیں اور جن میں سب سے اہم کوٹ سہسترا باہو کے ٹیلے ہیں جو وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مورخین بدایوں و سہسوان نے کوٹ سہسترا باہو سے سہسوان کی تاریخی قدامت کا اندازہ لگایا ہے۔ بدایونی مورخ مولوی رضی الدین نے تحریر کیا ہے:

"کہا جاتا ہے کہ ایک یادو راجہ کارتو ویرارجن نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ اس نے سہسترا باہو یعنی ہزار بازو کی قوت کا مالک کا لقب اختیار کیا اور اس نے سہسوان میں کوٹ سہسترا باہو تعمیر کرایا۔ کوٹ سہسترا باہو سے ہی سہسوان کا نام پڑا۔" (کنز التاریخ۔ ص ۹۵)

مولانا سید عبدالباقی سہسوانی نے تحریر کیا:

"پانسو برس پہلے کے حالات بتانے کے لیے یہاں کی تاریخ بالکل خاموش ہے۔ البتہ پرانے کھنڈر اور منہدمہ عمارات کے اونچے اونچے سر بفلک ٹیلے دیکھنے والوں کو انقلاب عظیم کا پتہ دیتے ہیں۔ لفظ سہسوان کی حسب تصریح محققین ہنسر باہن سے

٭ ۷۳۔ پھول والان۔ بریلی۔

ماخوذ ہے اور یہ یہاں کے راجہ کا نام تھا جو پہلی صدی عیسوی میں خاندان راجہ سالباہن سے یہاں حکمرانی کرتا تھا۔" (حیوۃ العلماء۔ ص ۶)

ضیاء علی خاں اشرفی بدایونی نے ڈاکٹر ودیا پرکاش رستوگی کی تاریخ مسمیٰ بھارتیہ اتہاس کی روپ ریکھا کے حوالے سے تحریر کیا:

"راجہ بیاتی کے بیٹے راجہ یدو کی اولاد یادو مشہور ہوئی جن کی ایک شاخ "ھے ھے" نے نربدا ندی کے قریب کے علاقوں کو فتح کر لیا تھا۔ ھے ھے شاخ کے راجاؤں میں کارتو ویرارجن نام کا راجہ بہت بہادر تھا جس نے ہمالیہ پہاڑ تک کے علاقے فتح کر لئے تھے۔ اس نے اپنا لقب سہسترا باہو اختیار کیا اور آج سے کئی ہزار برس پہلے بدایوں شہر سے چالیس کلو میٹر دور جانب غرب گنگا کے کنارے جہاں ایک قصبہ سہسوان آباد ہے، ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا جسے کوٹ سہسترا باہو کہتے تھے۔ قصبہ سہسوان میں محلہ بنزریا سے قاضی محلہ جانے والی سڑک کے دونوں طرف بلند ٹیلے اس قلعہ کی یادگار اب تک باقی ہیں۔ کارتو ویرارجن نے مہاتما پرسرام کی ماں شریمتی رینکا کا اغوا کیا تھا۔ مہاتما پرسرام نے ناراض ہو کر قلعہ کو برباد کر دیا۔ ایودھیا اور قنوج کے راجاؤں کی مدد سے ھے ھے خاندان کو ہی ختم کر دیا۔" (رہست وبود۔ ص ۴۹۔ ص ۵۰)

ان مورخین کے بیانات میں کارتو ویرارجن ایک محور کی طرح ہے جس پر سہسوان کی قدیم تاریخ گردش کرتی ہے۔ یعنی کارتو ویرارجن راجہ بیاتی کی نسل سے تھا۔ وہ یادو تھا۔ اس کا تعلق یادو کی شاخ ھے ھے سے تھا۔ وہ بہت بہادر تھا۔ اس نے مغربی یوپی کا علاقہ ہمالیہ کے دامن تک فتح کر لیا تھا۔ اس نے سہسترا باہو 'ہزار بازو کی قوت کا مالک' کا لقب اختیار کیا۔ اس نے بدایوں سے چالیس کلو میٹر دور جانب غرب کوٹ سہسترا باہو تعمیر کرایا۔

جس کے بلند ٹیلے قصبہ سہسوان میں اب تک باقی ہیں۔ اس نے رینکا کا اغوا کیا جس پر مہاتما پرسرام نے ناراض ہوکر راجگان ایودھیا و قنوج کی مدد سے کارتویرارجن اور اس کے پورے ونش "ہے ہے" کو ہی ختم کر دیا۔ کوٹ سہسترا باہو سے ہی سہسوان کا نام پڑا۔

جہاں تک کارتویرارجن اور پرسرام کی روایت کا تعلق ہے اس کی توثیق وایو پران سے ہو جاتی ہے۔ ورمن شورام آپٹے نے اپنے سنسکرت شبد کوش میں کارتویرارجن اور سہسترا باہو کی وضاحت کی ہے، اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"کارتویرے कार्तवीर्य کا بیٹا تھا کرتویرے कृतवीर्य کا جو ہے ہے کا راجہ تھا ہے ہے کی راجدھانی ماہشمتی نگری تھی۔ اس نے اپنی ریاضت و عبادت کے بل پر دتوترے दत्तात्रेय سے کئی ور حاصل کئے تھے جیسے سہسترارجن सहस्रार्जुन ہزار باہو والا اور سورن مے رتھ सवर्णमय रथ جس کو وہ جہاں چاہے لے جا سکتا تھا۔ وایو پران वायुपुराण کے مطابق اس نے دس ہزار یگیہ کئے اور وہ راون کا ہم عصر تھا، کارتویرے کو پرشورام परशुराम نے مار ڈالا، کیونکہ وہ پرشورام کے والد جم دگنی जमदग्नि کی کام دھینو اڑا کر لے بھاگا تھا۔ کارتویرارجن کو سہسترارجن بھی کہتے ہیں یعنی ہزار باہو والا۔" (سنسکرت شبد کوش۔ ص ۲۶۸)

وایو پران میں سہسترارجن کو راون کا ہم عصر بتایا گیا ہے۔ مورخ کے سی سری واستو کے مطابق ہندوستان کی قدیم رزمیہ شاعری کے عہد महाकाव्य युग کے واقعات کا زمانہ ۱۵۰۰ سال قبل مسیح سے ۵۰۰ سال قبل کو محیط ہے۔ (پراچین بھارت کا اتہاس۔ ص ۹۷) لہٰذا یہی زمانہ کارتویرارجن کا بھی قرار پائے گا۔

کارتویرارجن نے سہسوان میں کوٹ تعمیر کرایا تھا، اس کی تاریخی شہادت فراہم نہیں

ہوتی۔ البتہ کوٹ سہسوان کی تاریخی قدامت کا قیاس بعض خارجی شہادتوں سے کیا جا سکتا ہے، مثال میں کوٹ سہسوان سے برآمد شدہ اینٹوں کی لمبائی چوڑائی سے قدامت کا تعین مولانا نظر احمد سہسوانی نے کوٹ سہسترا باہو کے متعلق تحریر کیا تھا:

"یہ شہر بہ زمانہ قدیم بعض راجگان ہنود کا پایہ تخت تھا جس کے شاہد و گواہ وسط شہر میں دو طویل و عریض ٹیلے موجود ہیں جو کوٹ کے نام سے مشہور ہیں جن کے نیچے سے کبھی کبھی نصف گز طویل اور چوتھائی گز عریض پختہ اینٹیں بھی نکلتی ہیں۔"

(خزینۃ الانساب۔ ص ۳)

ضلع پرتاپ گڈھ کے مان دھاتا کا س کھنڈ گرام گھاٹم پور ڈیہہ وا میں جس کو مہابھارت کے عہد سے منسوب کیا گیا تھا۔ مٹی کھودتے وقت آثار قدیمہ برآمد ہوئے جن میں سے اینٹوں کی ناپ "۱۸ × "۹ × "$3\frac{1}{4}$ ہے (اخبار امر اجالا بریلی۔ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۹۹ء) گویا کوٹ سہسوان اور گرام گھاٹم پور ڈیہہ وا کی پختہ اینٹوں کی لمبائی چوڑائی برابر ہے۔ شمالی مغربی ہندوستان کے دوآبے میں واقع دو قدیم بستیوں کی برآمد شدہ اینٹوں کی لمبائی و چوڑائی کا مساوی ہونا ان کی تہذیبی یگانگت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ دراصل شمالی مغربی ہندوستان کے اتر ویدک کال میں راجاؤں نے قوت حاصل کی، القاب اختیار کیے، علاقوں پر قابض ہوئے اور گنگا جمنا کے دوآبے میں شہر آباد کیے تھے (پراچین بھارت کا اتہاس۔ ص ۹، تا ص ۱۱) لہٰذا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سہسوان میں بھی ایک شہر آباد ہوا تھا جس کے کھنڈر وسط شہر میں موجود ہیں جن کی نو دس تہوں تک عمودی یا سطح کے ہموار کھدائی (HORIZONTAL VERTICAL EXCAVA-TION) کے بعد ہی برآمد شدہ اشیاء کے سائنٹفک مطالعے کے ذریعے تاریخ قدیمہ کی تحقیق کی جا سکتی ہے۔ سر دست یہی رائے دی

جاسکتی ہے کہ کوٹ سہسوان کے آثار قیاساً تین ہزار برس پرانے ہیں۔

مندر سر سوتہ سہسوان کے عہد قدیم کے مندروں میں سرسوتہ مندر اہم اور مشہور ہے۔ سرسوتہ مندر سہسوان میں ڈھنڈہ جھیل کے کنارے واقع ہے۔ اس مندر میں ایک تالاب ہے جس میں پانی ہمیشہ تا سینہ و کمر رہتا ہے۔ تالاب کا مربع حوض سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے جس کے چاروں گوشوں پر بطور قبہ تعمیر ہے۔ تالاب کے اندر اترنے کے لیے طویل سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ مندر میں ایک پختہ دالان بھی بنا ہوا ہے۔ کئی نشانات استھیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر سال چیت کے مہینے میں لوگ اس مندر کے تالاب میں غسل کرنا باعث نجات سمجھتے ہیں۔ ماہ پھاگن اندھیرے پاک کی تیرہویں اور اجیالے پاک کی گیارہویں کو میلہ ہوتا ہے۔ اس مندر سے متعلق اورنگ زیب کی ایک معافی بھی ہے (کنز التاریخ ص ۹۴۔ حیوۃ العلماء۔ ص ۸ خزینۃ الانساب۔ ص ۴) ضلع بدایوں میں کئی مقامات پر قدیم عہد کے سورج کنڈ کے آثار ملتے ہیں۔ ضلع بدایوں کی تحصیل بسولی میں موضع کوٹ میں قلعہ شالی باہمن کے نزدیک سورج کنڈ کے آثار ایک گڈھے کی شکل میں موجود ہیں۔ خود شہر بدایوں میں راجا مہی پال کا بنوایا ہوا سورج کنڈ ہے جہاں ہر سال پنجمی سدی کارتک کو ہندو عورتیں اشنان کرتی ہیں (دہست دبود ص ۵۸۔ ص ۶۱) آفتاب پرستی کا عقیدہ رگ وید سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ مندر سرسوتہ کا سورج کنڈ عہد قدیم کے کسی آفتاب پرست راجا نے بنوایا ہوگا۔ تاریخی مصادر کی عدم موجودگی کے باعث راجا کا نام اور عہد تعمیر کا تعین ممکن نہیں ہے۔

مقبرہ میران ابراہیم تمن دار شہیدؒ شمالی ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں کا آغاز ۱۰۰۰ء سے ہوا تھا جو ۱۰۲۶ء تک جاری رہے۔ مورخین بدایوں و سہسوان نے مسلمانوں کی سہسوان میں آمد کا تعین بہ عہد محمود غزنوی کیا ہے جس کے ثبوت میں وہ کچھ ارتیاب کے ساتھ

میران ابراہیم تمن دار شہیدؒ کے مزار کی سہسوان میں موجودگی سے فراہم کرتے ہیں جن کی شہادت بہ جمعیت حضرت سید سالار مسعود غازیؒ بوقت جہاد ہوئی تھی (حیٰوۃ العلماء ص ۹) سید ابراہیم تمن دارؒ کی قبر سہسوان کے جنوبی گوشے میں ہے جس پر مقبرہ و گنبد بہ عہد جہانگیر ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) تعمیر ہوا تھا (حیوۃ العلماء ص ۹) دراصل سید ابراہیم تمن دار شہیدؒ کا مدفن التباس سے خالی نہیں ہے۔ ضیاء علی خاں بدایونی نے سید ابراہیم تمن دار شہیدؒ کی قبر بدایوں و سہسوان میں بتائی ہے (مردان خدا۔ ص ۱، ص ۸۲) مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے ان کی قبر کی نشاندہی محلہ سوتھ بدایوں میں کی ہے (تذکرۃ الواصلین۔ ص ۲۰) عبدالرحمن چشتی علوی (م ۱۶۸۳ء) نے ان کی قبر کا ریواڑی گوڑ گاؤں میں موجود ہونا تحریر کیا ہے (مرآۃ مسعودی۔ ص ۶۴) ان حالات میں یہ طے کرنا امر مشکل ہے کہ میران ابراہیم تمن دار شہیدؒ کا مدفن سہسوان میں ہے۔ مقبرے پر کوئی کتبہ بھی نہیں ہے۔ بقول رضی الدین بسمل بدایونی کے صرف شنیدہ اقوال پر ماخذ کا مدار ہے (تذکرۃ الواصلین۔ ص ۷) مقبرے کی عمارت میں کوئی حُسن نہیں ہے۔ مقبرے کی موجودگی سے بہ عہد جہانگیر سہسوان پر مغل اثرات کی تصدیق ضرور ہوجاتی ہے۔

کتبہ علاء الدین خلجی سہسوان کے تاریخی آثار میں عہد علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) کا ایک کتبہ ہے جو کسی مقام سے لاکر جدید جامع مسجد کی بیرونی دیوار میں لگا دیا گیا ہے۔ لوح کی لمبائی ۳۵ء۱ میٹر اور چوڑائی ۳۸ سینٹی میٹر ہے۔ کتبہ بخط ثلث ہے ۴، دبیز متوازی لکیروں میں حروف والفاظ آویزاں کیے گئے ہیں۔ اسی طرز کا ایک کتبہ علاقہ روہیل کھنڈ میں سنبھل کی سرائے ترین مسجد میں ۹۰۹ھ ہجری (۱۵۰۳ء) یعنی عہد سکندر لودی (۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۸ء) کا ہے۔ کتبہ علاء الدین خلجی ۷۰۰ھ ہجری (۱۳۰۰ء) کا ہے۔ اس کتبے کی نقل مندرجہ ذیل ہے۔ کتبے کی نقل میں حسب موقع نقاط و تشدید کا اضافہ اس خیال سے

کر دیا گیا ہے کہ اس کو پڑھنے میں وقت نہ ہو۔

"بنا، این حصن رفیع الارکان از برائے مامن اہل ایمان بفرمان مجلس اعلیٰ خدایگان

زبدۂ سلاطین جہاں سایۂ رحمٰن علاء الدنیا والدین الواثق بنصر اللہ المجاہد فی سبیل اللہ

ابوالمظفر محمد شاہ السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ تاریخ جمادی الاولیٰ روز

جمعہ غرہ بسال ہفتصد از ہجرت نبی علیہ السلام والتحیہ"

اس کتبے کو سب سے پہلے مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے نقل کیا تھا (کنز التاریخ۔ ص ۹۵۔ ص ۵۶۔ ۱۹۰۷ء) ان کو نقل کتبہ میں کئی مقام پر سہو ہوا۔ ان مقامات کو نظر انداز کرتے ہوئے تین امور ایسے ہیں جو تاریخی نوعیت کے ہیں اور جن پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اولاً کتبے میں "غرہ" ہے یعنی بدون نقطہ وتشدید۔ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے اس کو عشرہ پڑھا۔ (کنز التاریخ۔ ص ۹۶) تقویم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غرہ جمادی الاولیٰ ۷۰۰ء بہ یوم جمعہ تھا جب کہ عشرہ بہ یوم یکشنبہ۔ لہٰذا کتبے میں "غرہ" کو غرہ پڑھنا چاہیے تھا نہ کہ عشرہ روز جمعہ کتبے میں واضح طور پر موجود ہے۔ ثانیاً کتبے میں "علاء الدین والدین" کا اندراج ملتا ہے۔ عہد سلطنت کے کتبات میں سلطان کے نام کی رعایت سے اس کا لقب یا کنیت درج کی جاتی تھی۔ جیسے جامع مسجد شمسی بدایوں کے دروازۂ شرقی کے کتبے میں سلطان شمس الدین التتمش کے نام کی رعایت سے "شمس الدنیا والدین" اور "ابوالمظفر شمس السلطان ناصر امیر المومنین" منقش کیا گیا تھا (کنز التاریخ ص ۴۲) لہٰذا کتبہ سہسوان میں "علاء الدنیا والدین" کا اشارہ علاء الدین خلجی کی طرف ہے جس کی تائید ۷۰۰ھ سے ہوتی ہے یعنی وہ بسال ہفتصد دہلی کا سلطان تھا۔ اس کے برعکس مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے تحریر کیا:

"یہ کتبہ عہد محمد شاہ تغلق کا ہے جس کا زمانۂ سلطنت ۷۲۵ھ تھا۔" (کنز التاریخ ص ۹۵)

حقیقت یہ ہے کہ محمد تغلق کی حکومت کا آغاز ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) سے ہوا تھا۔ اس نے ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) تک حکومت کی تھی۔ لہٰذا ۷۰۰ھ میں وہ دہلی کا سلطان نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اپنے کتبات میں "محمد بن تغلق شاہ السلطان" اندراج ملتا ہے جیسا کہ جامع مسجد شمسی بدایوں کے دروازۂ شمالی کی لوح سے ظاہر ہوتا ہے جو ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) کی ہے (عربی وفارسی کتبات۔ سالانہ رپورٹ ۱۹۶۰-۱۹۶۱۔ نمبر شمار ۲۳ب۔ محکمہ آثار قدیمہ۔ انڈیا) لہٰذا کتبۂ سہسوان میں "محمد شاہ السلطان" سے "محمد بن تغلق شاہ السلطان" یا "محمد شاہ تغلق" مراد لینا خطا پر مبنی ہے۔ ثالثاً مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے کتبۂ سہسوان کی بنیاد پر ایک قلعہ اور اس کے اندر ایک جامع مسجد کے وجود کا اثبات کیا ہے۔ انھوں نے تحریر کیا ہے:

"جامع مسجد جو قاضی محلہ (ہمایوں پور) میں واقع ہے اس میں ایک پتھر پرانی جامع مسجد کا بہت بڑا رکھا ہے اور اس میں کتبہ مفصلہ ذیل کندہ ہے..... معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامع مسجد قدیمی بہت بڑی عالی شان عمارت تھی وہ منہدم ہوگئی ہے اور اب یہ جدید جامع مسجد بنائی گئی ہے اور یہ پتھر لگا دیا ہے جس کی ہم نقل کرتے ہیں یہ جامع مسجد قلعہ کے اندر تھی۔" (کنز التاریخ۔ ص ۹۵)

قلعہ اور اس کے اندر جامع مسجد کی روایت پہلے سے مشہور تھی۔ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے لوح کی شہادت پر اس روایت کی توثیق کی جس کو بعد کے مورخین سہسوان وبدایوں نے قبول کیا اور قطعی طور پر قلعہ وجامع مسجد کو علاء الدین خلجی سے منسوب کر دیا۔ مولانا عبدالباقی سہسوانی نے تحریر کیا:

"قدیم حکومت اسلامی کی ایک شاندار یادگار یہاں کا وہ شاندار کتبہ ہے جو سکندر ثانی سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں تعمیر قلعہ عظیم کا پتہ دیتا ہے..... اب قلعہ کا

نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے مگر اب سے اسی سال پیشتر اندرون قلعہ کی شاہی مسجد کے آثار نمایاں تھے ....." (حیوۃ العلماء۔ ص ۶، ص ۷)

لیکن مولانا نظر احمد سہسوانی نے حیوۃ العلماء کی اشاعت کے ۲۷ برس بعد "قلعہ عظیم" اور "قلعہ کی شاہی مسجد" کی تعمیر کا اثبات نہیں کیا کیونکہ انہوں نے یہ رائے پیش کی کہ پتھر کے کتبے سے علاء الدین خلجی کا سہسوان میں قلعہ بنوانے کا ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"علاء الدین خلجی کا سہسوان میں قلعہ بنوانے کا ارادہ اس پتھر کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے جو اب تک مسجد جامع سہسوان کی شرقی دیوار میں بغرض حفاظت نصب کرا دیا ہے لیکن اس کے آگے اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔" (خزینۃ الانساب۔ ص ۴۔ ص ۵)

اس سلسلے میں چند امور غور طلب ہیں۔ اولاً کتبہ اپنی اصل عمارت پر نہیں ہے (IN SITU) اس کو کہیں سے لاکر مسجد کی شرقی دیوار میں نصب کر دیا گیا ہے۔ وہ عمارت کیا تھی، کہاں تھی، اس کا علم کتبے سے نہیں ہوتا۔ لہذا اس کو سہسوان کے قلعے یا شاہی قلعے سے قطعی طور پر منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ ثانیاً ضلع بدایوں میں قدیم قلعوں کے کچھ نہ کچھ آثار موجود ہیں۔ آدی کوٹ اہی چھترا کوٹ شالیا ہن بسولی، قلعہ بدایوں اور کوٹ سہسوان کے ٹیلے کھنڈر گڈھے، مٹی کے ڈھیر، دمدمے، برجیاں اور دروازوں کی محرابوں وغیرہ کی شکل میں ملتے ہیں اس کے برعکس قلعہ علاء الدین خلجی کے سنگ و خشت کا ملبہ تک نہیں ملتا۔ ثالثاً علاء الدین خلجی کو ۲۰ جون سنہ ۶۹۶ھ کو تخت دہلی پر جلوس کرنے کے بعد مغول کے حملوں اور اندرونی بغاوتوں سے نبرد آزما ہونے کی وجہ سے تعمیرات پر توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس نے سیری میں محل سنہ ۱۳۰۳ء میں بنوایا تھا۔ سنہ ۶۹۶ھ اور سنہ ۱۳۰۲ء کی مدت میں اس کی بنوائی ہوئی کسی عمارت کا پتہ نہیں چلتا۔ رابعاً کتبے میں جس عمارت (حصن رفیع الارکان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ ایک جائے پناہ

تھی جس کو "از برائے مامن اہل ایمان" تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ عمارت نہ حصن حصین تھی اور نہ ہی جامع مسجد۔ مامن کا تصور پہلے سے موجود تھا۔ غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء) نے رہزنی کو مسدود کرنے کے لیے ایسی عمارتیں بنوائی تھیں جن میں افغان فوجی رہتے تھے اور جو رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرتے تھے۔ اسٹینلے لین پول نے ان عمارتوں کو بلاک ہاؤس (BLOCK HOUSE) تحریر کیا ہے (میڈیول انڈیا انڈر محمڈن رول ص ۸۱) لہذا میرے خیال میں یہ کتبہ کسی بلاک ہاوس کا ہے جو علاء الدین خلجی کے ابتدائی عہد حکومت میں اہل ایمان کی حفاظت و پناہ کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔

تاہم استخراج نتائج میں عدم تفرید کے باوجود اس کتبے کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔ کتبات کا شمار تاریخ کے مصادر (SOURCES OF HISTORY) میں کیا جاتا ہے۔ مثال میں اس کتبے سے کم سے کم یہی اطلاع مل جاتی ہے کہ علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں جب کہ وہ مغول کے حملوں اور اندرونی بغاوتوں کی وجہ سے برسر پیکار تھا، کسی فوجی یا غیر فوجی اہمیت کے مقام پر ایک ایسی عمارت تعمیر کی گئی جو از برائے مامن اہل ایمان تھی۔ یہ اطلاع ایک اضافہ ہے کیونکہ خود ضیاء الدین برنی نے سنہ ۱۳۰۳ء سے قبل بہ عہد علاء الدین خلجی کسی تعمیر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ ضلع بدایوں میں جہاں کتبات بکثرت موجود ہیں، علاء الدین خلجی کے کتبات کمیاب ہیں۔ میرے علم میں کتبۂ سہسوان کے علاوہ عہد علاء الدین خلجی کا ایک سنہ ہجری (۱۳۰۷ء) کا کتبہ اس کے دادبک بدایوں (منصف بدایوں) قبق بن مرہ کا قصبہ علا پور کی جامع مسجد میں ہے۔ اس طور پر ضلع بدایوں میں عہد علاء الدین خلجی کے دو کتبات کی موجودگی اس علاقے کی تاریخی اہمیت کی توثیق کرتی ہے۔

کتبہ سہسوان پر تخ گیا ہے۔ آب و باد کے اثر سے ریتیلا پتھر (SAND STONE)

رنگ بدل رہا ہے۔ لوح اور منبت الفاظ ہم رنگ ہو چکے ہیں۔ عبارت میں لفظ "جمعہ" مجروح ہو گیا ہے۔ حسن خوش نویسی جو اس کتبے کا انفرادی وصف ہے اپنی دلکشی سے عاری ہو چکا ہے اس کتبے کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے جس کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس پر شفاف دبیز پلاسٹک کا فریم لگا دیا جائے۔ یہ کتبہ بہرحال سہسوان کی عظمت کا نشان اور مورخین کتبات کی جان ہے۔

چوک مسجد لودیوں کے عہد حکومت (۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء) میں سہسوان کی تاریخ کو اعتبار و استحکام میسر ہوا۔ بزمانہ سکندر لودی (۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۸ء) خواجہ محمد اسمٰعیل عہدۂ قضا پر مامور ہو کر ۸۹۷ھ (۱۴۹۱-۱۴۹۲ء) امروہہ سے سہسوان تشریف لائے (خزینۃ الانساب ص ۲۰) ان کو دربار سلطانی سے مراتب و مناصب، جاگیر و معافیات "دوامی نسل بعد نسل" عطا ہوئے (حیٰوۃ العلماء۔ ص ۱۱) ان کی وفات کے بعد ان کے تیسرے فرزند قاضی عبدالشکور قصبہ سہسوان اور فیض گنج کے قاضی مقرر ہوئے اور ان کے نام بادشاہ وقت کی جانب سے تمام شہر کی زمینداری کا فرمان جاری کیا گیا۔ (خزینۃ الانساب ص ۲۰) قاضی عبدالشکور نے محلہ قاضی ٹولہ سہسوان میں ایک مسجد تعمیر کرائی جو چوک مسجد کہلاتی ہے (خزینۃ الانساب ص ۲۱) اس مسجد میں کوئی کتبہ نہیں ہے اور وہ مرمت و تعمیر ثانی کے مراحل سے بھی گزر چکی ہے۔ اس کے بغلی گنبد لودیوں کے گنبد سے مختلف ہیں۔ قاضی عبدالشکور کی شہادت اسی مسجد میں ۹۴۲ھ (۱۵۳۵-۱۵۳۶ء) کو بہ عہد ہمایوں ہوئی تھی۔ مسجد میں ان کا مدفن بھی ہے۔ یہ مسجد ابتدائی دور مغلیہ کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ مسجد لودی طرز تعمیر سے گریز اور مغل طرز تعمیر کے آغاز کی علامت ہے۔

اربعین سہسوان کے محلہ بیٹی یقین محمد میں اونچی کرسی پر ایک مسجد اور جانب شرقی ایک

مقبرہ ہے جس کو اربعین کہتے ہیں۔ مسجد و مقبرے پر کتبات نہیں ہیں۔ پہلی نظر میں مسجد روہیلہ طرز تعمیر کا نمونہ معلوم ہوتی ہے اور مقبرہ، سہسوان کے دیگر مقابر کی طرح لودی طرز تعمیر سے مشابہت کا حامل ہے۔ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ چہار دیواری کے اندر پہلے سے مقبرہ موجود تھا اور اس کے بعد مسجد تعمیر کی گئی۔ لیکن ضیا علی خاں بدایونی نے اربعین کے متعلق اطلاع دی کہ سہسوان کے ایک بزرگ مولوی فصیح عالم نے سلسلہ قادریہ کے مشائخ کی چلہ کشی کے لیے یہ عمارت اور اس سے ملحق مسجد ۱۲۱۰ھ میں تعمیر کرائی تھی (ہست و بود۔ ص ۸۰) ضیا علی خاں بدایونی نے اپنے ماخذ کا اظہار نہیں کیا۔ ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء-۱۷۹۶ء) میں سہسوان نواب آصف الدولہ کے زیر حکومت تھا۔ لہذا مسجد کی قدامت شبہ سے بالا ہو جاتی ہے۔ لیکن ۱۲۱۰ھ میں لودی طرز تعمیر کے مقبرے کی بنا خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اربعین کے آثار تاریخی نوعیت کے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہر سال گیارہ ربیع الثانی کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فاتحہ دلانے اور تبرکات کی زیارت کرانے کی رسم مولوی فصیح عالم نے جاری کی تھی جس کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔ "اہل محلہ ۱۱ ربیع الثانی کو روشنی کرتے ہیں اور کھچڑی پکوا کر فاتحہ دلاتے ہیں۔ حاضرین کو بطور تبرک تقسیم کرتے ہیں۔" (ہست و بود۔ ص ۲۸۱)

کوٹھی کارمیکل سی پی کارمیکل (C.P.CARMICHAEL) ۱۸۵۷ء میں بدایوں کا قائم مقام مجسٹریٹ تھا۔ وہ انقلابیوں کی پسپائی کے لیے ۱۷ جون ۱۸۵۸ء کو بریگیڈیر کوک (BRIG. COKE) کے فوجی دستے کے ساتھ سہسوان میں داخل ہوا تھا۔ اس نے انقلابیوں کو گرفتار کرا کے مقدمے کی کارروائی کی اور ان میں سے انیس ۱۹ کو گولی کا نشانہ بنایا۔ دو انقلابیوں کو کالا پانی بھیجا اور ان کی املاک ضبط کیں۔ سہسوان کے کپتان سید فدا حسین جو ملکہ اودھ بیگم زینت محل کی فوج میں ملازم تھے۔ ان کے مکان کو بارود کی تھیلیاں رکھ کر توپ کے گولوں سے

مسمار کرایا (۱۸۵۸ء کی دستاویزات نیز خزینۃ الانساب ص ۶ و ص ۷) اسی کارمیکل نے سہسوان میں کوٹھی تعمیر کرائی جو مولوی رضی الدین بسمل بدایونی کی اطلاع کے مطابق ۱۸۶۱ء کی بنا کردہ ہے۔ (کنز التاریخ۔ ص ۹۴) یہ عمارت سی پی کارمیکل سے منسوب ہونے کی وجہ سے تاریخی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔

جامع مسجد جامع مسجد سہسوان قاضی محلہ کے قریب واقع ہے۔ اندرون مسجد محراب امام کے فریم کے اوپر سنگ مرمر کی لوح ہے جس پر تین اشعار کے قطعۂ تاریخ کا اندراج کیا گیا ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے:

کیوں نہ غش ہو مسجد جامع پہ دل — اس نزاکت پر ہے کیسی استوار
حسن و خوبی میں عمارت اس کی ہے — سہسواں کو باعث صد افتخار
سال ختم اس کی بنا کا اے جمیل — کر رقم ہے خانۂ پروردگار

۱۳۰۴ ہجری (مطابق ۱۸۸۶-۱۸۸۷ء)

(جمیل احمد جمیل سہسوانی۔ پیدائش ۱۸۵۹ء۔ وفات ۱۹۳۵ء۔ تلمیذ سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی۔ بحوالہ مضمون "جمیل احمد جمیل سہسوانی" از ابراہیم خلیل۔ زیراکس کاپی میں رسالے کا نام اور تاریخ اشاعت ندارد)

مولانا عبدالباقی سہسوانی نے تحریر کیا ہے کہ "بسعی ملک العلماء مولانا الحاج حضرت سید عبدالباری صاحب سہسوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ مبلغ دو ہزار روپیہ والی ریاست بھوپال سے چندہ میں وصول ہوا۔" (حیوۃ العلماء ص ۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نواح کا طرز تعمیر بھی چندہ کے ساتھ آیا تھا۔ اس مسجد کے تینوں سڈول گنبدوں پر طویل شکھر (SPIRES) ہیں۔ گنبدوں کے دونوں جانب فرخ سے مشابہ کم دراز مستطیل میں۔ مینار بہت بلند اور

اپنی وضع میں دکن کے میناروں سے مشابہ ہیں۔ چھت کی دیوار (PARAPET) پر خوبصورت برجیوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مسجد کی مغربی دیوار میں محراب امام کا نشان (ALCOVE) نہیں ہے جو اودھ طرز تعمیر کے زیر اثر معلوم ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر بالائے مسجد پورا منظر پرجمال ہے۔ مسجد کا کمرۂ نماز آراستہ ہے۔ مسجد کا پیش منظر (FACADE) بلند نہیں ہے اور پلاستر پر نقوش مروجہ نوعیت کے ہیں۔ مسجد کا دروازہ شایان شان نہیں ہے۔ مسجد کی شرقی دیوار میں کتبہ علاء الدین خلجی نصب کر دیا گیا ہے اور اس کو پڑھنے کے لیے ایک چبوترے کا اضافہ بیرون مسجد کیا گیا ہے۔ مسجد اونچی کرسی پر واقع ہونے کی وجہ سے قصبے کے ہر گوشے سے نظر آتی ہے۔ روہیل کھنڈ کی تاریخی مساجد میں سہسوان کی جامع مسجد ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔

پورا ضلع بدایوں تاریخی آثار سے بھرا پڑا ہے۔ نئے حقائق کی دریافت کی ضرورت ہے۔ موجودہ حقائق پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر آثار کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ آثار، کتبات، سکہ جات وغیرہ کا شمار تاریخ کے مصادر میں کیا جاتا ہے۔ ان کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام غیر سرکاری سطح پر بھی ہو سکتا ہے۔ ضرورت صرف مناسب توجہ اور دلچسپی کی ہے۔ مقامی اہل علم یہ کام زیادہ سہولت اور بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

اردو کی حمدیہ شاعری کا جائزہ

از جناب محمد اسمٰعیل آزاد صاحب فتحپوری

(۳)

اردو حمد مختلف اصناف و ہئیات میں ملتی ہے۔ اصناف و ہئیات کا یہ تنوع اردو زبان کے آغاز ہی سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس دور میں جو صنف یا ہیئت رائج رہی حمد نے اپنے لئے وہی جامہ اختیار کرلیا۔ وہ دوہرہ، سویا، مثنوی، قصیدہ، غزل، آزاد نظم، ریختی، ہجو، ہزل، رباعی، ترجیع بند، ترکیب بند غرضیکہ تقریباً سبھی مروجہ اصناف و ہئیات میں ملتی ہے۔ اس طور پر اس میں صنفی اور ہیئتی اعتبار سے بھی کافی وسعت ہے۔

اردو حمد نے قومی، ملکی اور تمدنی زندگی کو اوپر اٹھانے کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال کسی دوسری صنف سخن میں نہیں ملتی۔ ایک زمانہ میں لکھنؤ کی شاعری نے حیا سوزی کو اس حد تک بڑھا دیا کہ ہوسناکی، عشق کا برملا اظہار، فقرہ بازی، عریانیت وغیرہ اس دور کی تہذیب کے ضروری اجزا بن گئے تھے۔ ایسی داستانیں اور ایسی مثنویاں لکھی گئیں جو اس تہذیب کی نمایندگی کر رہی تھیں۔

خواجہ میر درد کے بھائی میر اثر نے مثنوی "خواب و خیال" لکھی جو زبان و بیان کے اعتبار سے سلیس اور شگفتہ ہے مگر یہاں وصل میں وہ بھی کھل کھیلے ہیں اور رکاکت نے اس کی خوبصورتی کو گھن لگا دیا ہے۔ لیکن ان مثنویوں میں بھی یہاں حمد کافی متین اور سنجیدہ ہے۔ مرزا شوق نے

زہر عشق کی ہیروئین کی دوشیزگی خوب چٹخارے لے لے کر بیان کی ہے لیکن جہاں کہیں تحمید و تمجید کا موقع آیا ہے ان کا قلم اچانک سنجیدہ اور مہذب ہوگیا ہے۔ اللہ رب العزت کی ثنا خوانی کے موقع پر شاعر اپنی بدنام روزگار مثنوی "بہار عشق" میں ایک صوفی صافی اللہ والا نقش دکھائی پڑتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سب یہ دنیا سرائے فانی ہے — عشق معبود جاودانی ہے
کہتے ہیں صوفیان صاف دل — کہ ہے عشق خدا بہت مشکل
کوئی الفت نہ ہے وفا سے کرے — عشق کرنا ہے تو خدا سے کرے
چار دن کی یہ زندگانی ہے — جو ہے اس کے سوا وہ فانی ہے
ہے وہ مستجمع جمیع صفات — لائق سجدہ ہے اسی کی ذات

وہی اول میں ہے وہی آخر — وہی باطن میں ہے وہی ظاہر
کون سی جا ہے جس جگہ وہ نہیں — چاہیئے ہے نگاہ وحدت بیں
لکھتے ہیں صوفیان با توقیر — عشق اللہ ہے عجب اکسیر
جس کو اس در تلک رسائی ہے — دین و دنیا کی بادشاہی ہے
مثل سیماب دل کی ہے تاثیر — خاک ہو جائے تب بنے اکسیر
دنیا کہتے ہیں جس کو پردا ہے — باقی اللہ کے سوا کیا ہے؟
منکشف اس کی کیا حقیقت ہو — وہی دیکھے جسے بصیرت ہو

پردے اٹھ جائیں جب جدائی کر
حال اس دم کھلیں خدائی کے

اسی لکھنؤ میں میرانیس، مرزا دبیر، مولوی محسن کاکوروی اور امیر مینائی نے مذہبی

شاعری سے اصلاح معاشرت کا کام لیا۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے مراثی کربلا لکھ کر اور مولوی محسن اور امیر مینائی نے حمد الٰہی اور نعت رسول ﷺ کہہ کر اخلاق کو مہذب کرنے، کردار کو بلند کرنے اور زوال پذیر معاشرے کو اوپر اٹھانے کی عظیم خدمت انجام دی۔ اس طور پر حمد نے معاشرے، افراد اور اردو شاعری کو تعر مذلت سے بچا لیا۔

حمدیہ شاعری نے اردو ادب کو وقار، سنجیدگی اور حفظ مراتب کا درس دیا۔ حمدیہ ذخائر نے اردو ادب کو بہت ساری وہ تلمیحات دیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ اردو حمد نے شعراء کو دل و دماغ سے کام کرنا سکھلایا، حمد میں ذہن و قلب دونوں کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ تنہا ذہن شعریت کے لئے سم قاتل ہے اور تنہا قلب اعتدال کے لئے مہلک۔

شاعری، ادب اور فنون لطیفہ کی سب سے لطیف و نفیس قسم ہے جو انسانوں میں خواہ وہ کوئی زبان بولتے ہوں بالکل فطری طور پر اتفاقاً پیدا ہو جاتی ہے۔ شاعری انسانی جذبات و احساسات کے اظہار کا نام ہے۔ شاعر کے لئے صرف وزن کافی نہیں ہے۔ شاعر اُن سرور اور جذباتی کیفیت کا الفاظ کی مدد سے اظہار شاعری کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے دریافت کیا کہ شاعری کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جواباً عرض کیا "شیٔ یختلج فی صدری فینطق بہ لسانی" کوئی چیز ہے جو میرے سینہ میں اختلاج پیدا کرتی ہے اور اس کے ثمرے میں زبان بولنے لگتی ہے۔

دوسرے فنون لطیفہ مصوری، موسیقی اور رقص کے اظہار کے لئے مختلف آلات سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح شاعری کا آلہ زبان ہے اور پھر الفاظ کی بامعنی ترکیب سے خیال کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔ فکر و خیال کے بغیر شاعری بے مزہ لگتی ہے لیکن شاعری میں

غذائیت اور مزہ اس طرح پوشیدہ ہونا چاہیے کہ اس سے لذت کام و دہن کے ساتھ ذہنی و فکری صحت بھی حاصل ہوتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری براہ راست بیان سے احتراز کرتی ہے۔ جذبۂ احساس اور خیال کی زیریں لہریں شاعری کی جان ہیں۔ مشہور فرانسیسی ادیب ژاں پال سارتر کی زبان میں:

"شاعری کا ہر لفظ ایک عالم صغیر ہوتا ہے اور اپنے جہاں نما آئینہ میں وہ آسمان وزمین اور زندگی کی عکاسی اور عالم اشیاء کی ایک شئی بن جاتا ہے۔ جب شاعر اس طرح کے چند عالم صغیر ایک جگہ جمع کرتا ہے تو وہ محض ایک نئی ترکیب ہی وضع نہیں کرتا بلکہ ایک نئی چیز تخلیق کرتا ہے"۔[1]

ریزی بریسان نے اپنے مضمون "خالص شاعری" میں شاعری کو اس کیفیت سے تعبیر کیا ہے جو مراقبہ کی کیفیت کے مماثل ہے اور جو صوفیوں کا محبوب شغل ہے یعنی ایک مکمل سکون جو ہم سے اس سے زیادہ کوئی تقاضا نہیں کرتا کہ ہم اپنے آپ کو کسی برتر اور عظیم ہستی کے سپرد کر دیں۔ شاعری ایک باطنی یا ایک بھاری بھرکم روحانی تجربہ ہے اور جیسا کہ ورڈزورتھ کہتا ہے ایک مقدس حرارت ہے یا جیسا کہ کیٹس کہتا ہے دل کے اوپر احساس جدیت کا بار گراں ہے یہ احساس شاعر کو کشاں کشاں اپنے مبدء و منبع کی طرف لے جا کر ایک مافوق البشر ذات کی حدود میں پہونچا دیتا ہے۔[2]

ابن رشیق نے ایک اچھے شعر کی توضیح اس طرح کی ہے:

اذا قیل اطمع الناس طراً ۔۔۔ واذا ریم اعجز المعجزینا

---

[1] ژاں پال سارتر۔ شاعر اور زبان مطبوعہ مجلہ نئی قدریں۔ رانچی یونیورسٹی [2] ریزی بریسان، خالص شاعری ترتیب ڈاکٹر وہاب اشرفی نئی قدریں۔

یعنی جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہی خیال ہو کہ وہ بھی ایسا کہہ سکتا ہے لیکن جب ویسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان بھی عاجز ہو جائے۔

مشہور نعت گو صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ نے اچھے شعر کی تعریف یوں کی ہے:

وان احسن بیت انت قائلہ — بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

یعنی سب سے بہتر شعر جو تم کہہ سکتے ہو وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ کہہ اٹھیں کہ سچ کہا ہے[1]

مسعود حسن رضوی ادیب کا نظریہ ہے کہ موزوں اور با اثر کلام کو شعر کہتے ہیں[2]

پنڈت برج نرائن چکبست نے شاعری کی تعریف اس طرح کی ہے۔

شاعری وہ جادو یا اعجاز ہے جس کا کرشمہ یہ ہے کہ انسان کے خیالات و احساسات اپنے دلی جذبات کے سانچے میں ڈھل کر زبان سے نکلتے ہیں اور ایک عالم تصویر پیدا کر دیتے ہیں[3]

فن شاعری اور شعر کی ماہیئت و حقیقت کی بابت مغربی و مشرقی ناقدین کی محولہ بالا آرا کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہر زبان کی شاعری کا سوتا شاعر کے دل سے پھوٹتا ہے اور شعر دلی جذبات و احساسات کے اظہار کا نام ہے۔ ایک شاعر نے بالکل درست کہا ہے:

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے — دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے

شعر و شاعری کے اس عمومی فنی جائزے اور تناظر میں جب ہم اردو کی حمدیہ شاعری پر

[1] ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری بدیع و بیان ص ۶ دوسرا اڈیشن [2] مسعود حسن رضوی ادیب ہماری شاعری ص ۲۰، [3] مضامین چکبست ص ۷۸۔

نگاہ ڈالتے ہیں تو ملا داؤد سے لے کر پروفیسر ولی الحق انصاری تک تاروں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے جس میں فکر و فن کی دھیمی اور تیز روشنی ہے۔ میر اور فانی کی شاعری کا خستہ اور دھیما لہجہ ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے تو غالب کا بے باکانہ انداز فکر انگیز۔ اقبال کا بلند آہنگ پیغمبرانہ شان ہے تو ولی الحق کا نغمہ ایک شکستہ دل کی التجا۔ درحقیقت اردو کی حمدیہ شاعری اتنی عظیم ہے کہ اسے کسی زبان کی شاعری کے مقابلے میں بآسانی رکھا جا سکتا ہے۔

ماقبل میں شعر و شاعری، صنف و ہیئت اور حمد نگار شعرا کی بابت جو کچھ بھی عرض کیا گیا ہے اس کی بنیاد پر یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حمد اردو شاعری کی ایک اہم موضوعی صنف سخن ہے لیکن اردو کی حمدیہ شاعری پر ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا[1] اسی لئے نقادان ادب نے ابھی تک اس کو باضابطہ صنف سخن نہیں مانا ہے مگر مواد اور موضوع کے اعتبار سے اگر اصناف کی تقسیم مانی جائے تو حمد بھی یقیناً ایک صنف سخن قرار پائے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حمد جیسی اہم اور مقبول شاعری کو اصناف سخن میں شامل نہ کرنا صریح حق تلفی ہے۔ نقادان ادب نے اس صنف پر جو اس کا حق تھا خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ اغلباً اس کی وجہ ہمارے ناقدین کی انتہا پسندی ہے۔ ملٹن کی فردوس گم شدہ کا مذہب سے زبردست تعلق ہے اور بغیر بائبل کے عمیق مطالعہ کے "فردوس گم شدہ" کو کماحقہ نہیں سمجھا جا سکتا لیکن اس کے باوجود "فردوس گم شدہ" انگریزی ادب کا ایک گرانمایہ و وقیع شہ پارہ ہے۔

ہمارے قدیم نقاد صنف اور ہیئت کے تعین میں کافی ژولیدہ ذہن نظر آتے ہیں۔ بعض اقسام شعری مثلاً قصیدہ، غزل اور نظم کی صنفی شناخت موضوع اور ہیئت دونوں

[1] راقم کی زیر نگرانی محترم عزیزی محمد اظہار سلمۂ ایک تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی "اردو میں حمد نگاری کی روایت" پر لکھ رہے ہیں۔

وسیلوں سے ہوتی ہے اور بعض اصناف جیسے مثنوی، رباعی، ترکیب بند وغیرہ صرف شعری ہیئتیں ہیں۔ صنف اور ہیئت کی حد بندیاں قدما کے سامنے واضح نہ تھیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر شکیلہ خاتون نے اپنے مقالہ" اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ" میں درست لکھا ہے کہ" اردو شاعری میں اصناف کی مروجہ درجہ بندی کے باعث نہ تو صنف کا تصور واضح ہو پاتا ہے اور نہ ہیئت کا۔ کسی صنف کے ساتھ محض اس کی ہیئت چپک گئی ہے۔ مثلاً مثنوی کسی کے ساتھ موضوع اور صنف دونوں وابستہ ہیں مثلاً قصیدہ۔ اور کسی کی بنیاد صرف موضوع پر ہے مثلاً مرثیہ۔ مرثیے مختلف ہیئتوں میں لکھے گئے ہیں مثلاً غزل، دوبیتی اور مسدس وغیرہ۔ انیس و دبیر کے مرثیے مسدس میں ہیں۔ غالب نے عارف کا مرثیہ غزل میں لکھا ہے۔ حالی نے مرثیہ غالب ترکیب بند میں لکھا ہے۔ ہیئت پرستی کا رجحان بھی معاملہ کو بگاڑنے میں کچھ کم ذمہ دار نہیں ہے۔ مسدس کی ہیئت کے علاوہ اور ہیئتوں میں بھی مرثیے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً غالب کا مرثیہ عارف غالب کے دیوان میں غزلوں کے ساتھ مشمول ہے۔ دیوان حالی میں مرثیہ غالب بر ترکیب بند کا عنوان چھپا ہے۔ اقبال کا مرثیہ" والدہ مرحومہ کی یاد میں" مثنوی پر ترتیب دیے جانے والے مقالوں میں مثنوی کی فہرست میں شامل ہے۔"[۱]

اردو شاعری کی تین اہم اصناف مرثیہ، نعت اور حمد کی صنفی شناخت خالص طور پر موضوع پر مبنی ہے۔ جہاں تک مرثیوں کا تعلق ہے انیس و دبیر کے مرثیوں کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بڑی حد تک مسدس کی ہیئت اس کی پہچان بن گئی ہے لیکن شعرائے حمد نے مختلف شعری ہیئتیں اختیار کیں۔ غزل، قصیدہ، رباعی، قطعہ اور نظم کی مختلف و متنوع ہیئتوں میں

---

[۱] ڈاکٹر شکیلہ خاتون: اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ ص ۲۳ (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ) یہ تحقیقی مقالہ راقم ہی کی نگرانی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ آزاد

حمد کے اشعار سے اردو شاعری کو مالا مال کیا اور اردو کا کوئی بڑا شاعر نہیں ہے جس نے اس صنف میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔

حمد کے اس صنفی تعین کے بعد جب ہم حمد کے شعری محاسن پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں علم معانی و بیان و بدیع کے تمام محاسن پائے جاتے ہیں جو کسی بھی ادب پارے کے فنی محاسن کے لئے لازم ہو سکتے ہیں یا اس کے حق میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

حمد نگاری کے محرکات میں تصور الٰہ اور خوف الٰہی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ در حقیقت یہ دونوں جذبات انسان کو بڑی قوت بخشتے ہیں۔ اللہ پاک نے کلام پاک میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ" الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" یعنی اللہ پاک کے ذکر خیر سے دلوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ایک اللہ کا خوف لاکھوں کروڑوں شخصیتوں کے خوف سے نجات دیتا ہے۔ اللہ پاک کا خوف ہی انسان کو برائیوں سے روکتا ہے اور حیوانیت سے اوپر اٹھا کر اس میں آدمیت اور انسانیت کے گراں بہا جواہر کی تخم ریزی کرتا ہے اور اس کو وہ علوی مقام عطا کرتا ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے اور جہاں اللہ پاک فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ یہ جسد خاکی اتنا بلند و بالا اور عظیم و فخیم ہے کہ تم اس کو سجدہ کرو۔ در حقیقت انسان دوستی اور خدمت خلق کے عناصر صنف حمد میں بکثرت موجود ہیں، کیونکہ اسی صنف سخن نے اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ اللہ پاک امیروں کے محلوں میں نہیں بلکہ فقیروں کی جھونپڑوں میں ملتے ہیں۔ محاکاتی رنگ دکھلانے کی جتنی گنجائش حمدیہ ادب میں ہے اتنی گنجائش شاید ادب کی کسی دوسری صنف میں نہیں ہے۔ الفاظ کے انتخاب، تراکیب کے در و بست، موضوع کے توازن اور اظہار کے رکھ رکھاؤ میں جتنی ہوشیاری اس صنف میں درکار ہے اتنی کسی دوسرے ذریعہ ابلاغ میں قطعی طور پر نہیں۔ تشبیہات و استعارات اور کنایات و تلمیحات کے انتخاب

میں جو بداعت وندرت یہاں نظر آتی ہے اتنی کہیں اور نہیں دکھائی دیتی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے کلام میں متعدد بار تحمید و تمجید اور تقدیس و تکبیر کا حکم دیا ہے اور ہر کام کو اپنے نام سے شروع کرنے کی تحریک دی۔ نبی رحمتؐ محبوب رب العالمین نے ہر اس اہم کام کو ابتر، ناقص اور ادھورا بتلایا ہے جس کا آغاز حمد الٰہی سے نہ کیا گیا ہو۔ ان ارشادات الٰہی و فرامین نبویؐ کے باعث ہی حمد نگاری نے مذہبی شکل اختیار کر لی، اسی لئے قدماء کی مثنویوں کا آغاز حمد سے ہوتا تھا اور متقدمین شعراء اپنے دواوین کی ابتدا لازمی طور پر حمد سے کرتے تھے۔

حمد نگاری ذریعہ نجات سمجھی جاتی ہے اسی لئے یہ عالم گیر مقبولیت کی حامل بن گئی۔ حمد سے صوفیائے کرام کے غیر معمولی شغف اور محافل سماع سے اس کی وابستگی نے اسے قبول عام کی سند عطا کی۔

سائنس اور ٹکنالوجی میں انسانوں کی زبردست کامرانیوں نے اللہ پاک کی وحدانیت، اس کی قدرت، اس کی عظمت وجبروت، اس کی بہترین خلاقیت و رزاقیت، اس کی نقید المثال صناعی اور کاریگری کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پیشتر جبکہ سائنس اور ٹکنالوجی کی زبردست قوت کا احساس بنی نوع انسان کو نہ تھا، فرمایا تھا "خلقنا کل شئ بقدر" (ہم نے ہر چیز کو ایک متعین انداز سے پیدا کیا) آج اس آیت کی مکمل توضیح کمپیوٹر اور کلوننگ نے کر دی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا تھا "یومئذ تحدث اخبارھا" (جس دن زمین اپنے اوپر ہونے والے واقعات کی خبریں بتلائے گی) آج اس آیت کی تفسیر الکٹرانک میڈیا نے روز روشن کی طرح ویڈیو کیسٹ اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سمجھا دی ہے۔ اللہ پاک نے اپنے کو رب المشارق والمغارب

یعنی بہت سے مشرقوں اور بہت سے مغربوں کا پالنہار کہا تھا۔ آج نئی نئی دنیاؤں اور نئے نئے آفاق کے انکشافات نے فرمان الٰہی پر ہر صداقت چسپاں کر دی ہے۔

حمد نگاری فی الواقع عالمی اصناف کی سب سے مفید اور کارآمد صنف سخن ہے۔ اگر تصور الٰہ نہ ہو تو یہی سائنس اور ٹکنالوجی جو انسان کے لئے راحت رساں ہے چشم زدن میں ضرر رساں بلکہ موجب ہلاکت اور باعث فنا بن جائے جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے درمیان دنیا نے دیکھا اور جس کے مضر اور مہلک اثرات ۵۳ سالوں کے بعد آج بھی نظر آرہے ہیں۔

اردو حمد کے شعری محاسن کا جب ہم ایک جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ اردو حمد میں فکر و فن کی وہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو اردو شاعری کی کسی بھی صنف کا طرہ امتیاز ہوسکتی ہیں۔ فن کی عظمت کے ساتھ ساتھ موضوع کی عظمت بھی ضروری ہے اور حمد کے موضوع میں جو عظمت، جلالت، فخامت، جبروت اور عقیدت و محبت، والہانہ وارفتگی پائی جاتی ہے اس نے حمدیہ شاعری میں فکر و فن کی غیر معمولی عظمت و تاثیر پیدا کر دی ہے۔ حمدیہ شاعری روحانی اور اخلاقی مقاصد کو بھی تسکین دیتی ہے۔

ماسبق کی معروضات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اردو شاعری کے ہر دور میں اور اس کی ہر صنف و ہیئت میں ایسے باکمال حمد نگار شعراء نمایاں ہیں جنھوں نے بڑی عقیدت و محبت اور فنکارانہ شعور کے ساتھ حمدیہ شاعری کی ہے اور جن سے حمدیہ شاعری کے امکانات مزید روشن ہو گئے ہیں۔ جب تک کائنات اور کائنات کو ژرف نگاہی سے دیکھنے والے موجود ہیں اور جب تک منت شناسی ایک صنف محمود

گردانی جاتی رہے گی تب تک حمد نگاری کی روایت شادابی اور رعنائی کے ساتھ زندہ رہے گی۔ حمد نگاری کا مستقبل کافی روشن اور خاصا درخشاں ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں ہونے والی تحقیقات اور اس کے نتیجہ میں سامنے آنے والے انکشافات واکتشافات نے اللہ پاک کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کی خلاقیت، اس کی رزاقیت اور اس کے دیگر اسمائے حسنیٰ کی حقانیت کو واضح کر دیا ہے اور حمد نگاری کے لئے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ حمد مسائل حیات سے زبردست وابستگی رکھتی ہے اور زندگی کے تاریک موڑ پر مشعل راہ بن کر رہنمائی کرتی ہے اسی لئے اس کی ادبی قدر و قیمت مسلم ہے اور اس کا مستقبل بہت تابناک اور روشن ہے۔

ماہنامہ معارف کے اشاریے

از جناب جمشید احمد ندوی صاحب*

(۲)

فہرست مضمون نگاران

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۱	ابوالحسنات ندوی	ابن یمین اور ان کی شاعری	۳	۸	فروری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۱۵-۳۲۴
۲	" "	"	۳	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۹ء	۳۷۲-۳۸۷
۳	" "	دین حنیف	۳	۲	اگست سنہ ۱۹۱۸ء	۶۶-۷۸
۴	" "	"	۳	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء	۱۲۷-۱۳۳
۵	" "	عبداللہ بن مبارک	۳	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۸ء	۲۵۴-۲۶۶
۶	ابوالاعلیٰ مودودی	برق یا کہربا	۳	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء	۱۹۷-۲۰۵

* ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شماره	مہینہ وسال	صفحات
۷	ابوالکلام آزاد	مساجد اور غیر مسلم	۳	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۹ء	۵۷۷-۵۹۲
۸	〃 〃	〃 〃	۳	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۹ء	۶۲۵-۶۵۶
۹	احسان احمد (مرزا)	پاٹلی پتر (پٹنہ) کے کھنڈر اور قدیم ہندوؤں کے تمدن پر پارسیوں کا اثر	۲	۸	فروری سنہ ۱۹۱۸ء	۳۳-۴۱
۱۰	〃 〃	〃 〃 〃	۲	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۸ء	۳۳-۴۰
۱۱	〃 〃	〃 〃 〃	۲	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۸ء	۳۳-۴۶
۱۲	〃 〃	فنون لطیفہ	۱	۸	فروری سنہ ۱۹۱۷ء	۲۵-۳۳
۱۳	〃 〃	〃 〃	۱	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۷ء	۱۷-۲۲
۱۴	〃 〃	〃 〃	۱	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۷ء	۲۶-۳۲
۱۵	حمید الدین فراہی	نسب نامہ نبویؐ	۱	۶	دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۲-۴۰
۱۶	〃 〃	〃 〃	۱	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۷ء	۱۲-۲۴

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شماره	مہینہ وسال	صفحات
۱۷	سعید انصاری	ابن زکریا رازی (حکیم)	۱	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۶ء	۳۳-۴۳
۱۸	〃 〃	ابوالفداء کے حالات خود ابوالفداء سے	۲	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۸ء	۳۵-۴۵
۱۹	〃 〃	〃 〃 〃	۳	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۸ء	۴۱-۵۲
۲۰	〃 〃	〃 〃 〃	۳	۲	اگست سنہ ۱۹۱۸ء	۹۴-۱۰۱
۲۱	〃 〃	〃 〃 〃	۳	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء	۱۵۸-۱۶۳
۲۲	〃 〃	ابومسلم اصفہانی اور ان کی تفسیر	۲	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۸ء	۳۲-۴۸
۲۳	〃 〃	اردو علم الصرف پر پہلی کتاب صرف اردو	۲	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء	۴۸-۵۱
۲۴	〃 〃	اسعد بن زرارةؓ	۲	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۸ء	۳۷-۴۰
۲۵	〃 〃	سعد بن معاذؓ	۲	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۸ء	۴۱-۴۸
۲۶	〃 〃	سولی پر اسلام کی سب سے پہلی لاش حضرت خبیب بن عدی	۱	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۷ء	۴۱-

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۲۷	سعید انصاری	فلسفہ طبعی کے حیرت انگیز انکشافات (انیسویں صدی میں)	۱	۶	دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۵۳-۳۵
۲۸	" "	قرآن مجید میں بائبل کے حوالے	۳	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۶۲-۳۵۴
۲۹	شبلی (علامہ)	اردو ہندی	۱	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء	۵۲-۴۷
۳۰	" "	عشقیہ شاعری (ماخوذ از شعر العجم)	۱	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۲-۲۱
۳۱	" "	ہندو مسلمانوں کا اتحاد	۱	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۶ء	۵۰-۴۴
۳۲	صادق علی (ڈاکٹر)	سورۂ یوسف سے ایک واقعہ کی تفسیر	۳	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۸۳-۳۷۷
۳۳	" "	من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (معرفت)	۳	۸	فروری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۱۴-۳۰۶
۳۴	ظفر حسن خاں (صاحبزادہ)	فن مطالعہ	۱	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۲-۳۳
۳۵	" "	" "	۱	۶	دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۱-۱۷
۳۶	مظفر حسین خاں	اصول تعلیم	۳	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۹ء	۵۵۲-۵۴۲

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۳۷	عبدالرزاق ندوی	مصری کہانی	۳	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۹ء	۶۱۰-۶۰۱
۳۸	عبدالسلام ندوی	اخلاق نبوی کا ایک عظیم الشان مظہر یعنی محدثین کرام کے فضائل اخلاق	۱	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۷ء	۱۶-۷
۳۹	" "	" "	۱	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۷ء	۳۰-۳۶
۴۰	" "	اسلام اور نصرانیت کی کشمکش روس میں	۲	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۸ء	۲۵-۱۷
۴۱	" "	" "	۲	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۸ء	۱۸-۱۴
۴۲	" "	" "	۳	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۸ء	۲۴-۱۷
۴۳	" "	اسلام میں مختلف فرقوں کی نشو و نما اور اسکے علل و اسباب	۳	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۹ء	۵۲۱-۵۱۱
۴۴	" "	" "	۳	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۹ء	۶۰۰-۵۹۳
۴۵	" "	اسلامی یتیم خانے	۲	۲	اگست سنہ ۱۹۱۷ء	۳۹-۳۳
۴۶	" "	اشتراکیت اور فوضویت یعنی سوشلزم اور انارکزم	۱	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۷ء	۳۷-۲۷

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۴۷	عبدالسلام ندوی	ایک جدید فلسفہ تاریخ	۱	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۷ء	۶ - ۳
۴۸	"	تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی	۳	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۷۶ - ۳۷۰
۴۹	"	تحریفات یہود	۲	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء	۳۵ - ۲۶
۵۰	"	جنگ اور اخلاق یا موجودہ[1] جنگ سے کچھ اسباق	۱	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۷ - ۳۳
۵۱	"	حاظر المصریین اور سرتاخرہم	۲	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۸ء	۳۱ - ۱۹
۵۲	"	حریم قدس یعنی مسجد نبویؐ	۱	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۶ء	۲۵ - ۱۹
۵۳	"	"	۱	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۲۳ - ۱۷
۵۴	"	"	۱	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء	۲۲ - ۱۶
۵۵	"	خطابت العرب	۳	۲	اگست سنہ ۱۹۱۸ء	۹۳ - ۸۵
۵۶	"	"	۳	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء	۱۵۷ - ۱۴۸

[1] معارف اپریل سنہ ۱۹۹۹ء کے ص ۳۰۰ پر غلطی سے بالا جودہ چھپ گیا ہے۔ براہ کرم تصحیح کرلیں۔

نمبر شمار	مضمون نگاران	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۵۷	عبدالسلام ندوی	خلفائے بنو امیہ اور اشاعت اسلام	۳	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۸ء	۳۴۳ - ۳۳۷
۵۸	"	خلفائے عباسیہ اور فریضہ اشاعت اسلام	۱	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۶ء	۳۲ - ۲۵
۵۹	"	دیوان حسرت	۱	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۷ء	۳۹ - ۳۸
۶۰	"	"	۱	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۷ء	۳۸ - ۳۳
۶۱	"	عقل و نقل (فلسفہ لیبان)	۳	۸	فروری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۳۲ - ۳۲۵
۶۲	"	فلسفہ لیبان	۳	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۶۹ - ۳۶۳
۶۳	"	فن تعلیم و تربیت کے کچھ اسباق	۱	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۷ء	۳۹ - ۳۷
۶۴	"	"	۱	۸	فروری سنہ ۱۹۱۷ء	۴۱ - ۳۴
۶۵	"	"	۱	۱۱	مئی سنہ ۱۹۱۷ء	۴۰ - ۳۳
۶۶	"	"	۲	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۷ء	۴۴ - ۳۳

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۶۷	عبدالسلام ندوی	کیا انسان کی اجتماعی زندگی ترقی کر رہی ہے	۲	۵	نومبر ۱۹۱۷ء	۳۰-۴۰
۶۸	" "	مسلمانانِ روس	۳	۲	اگست ۱۹۱۸ء	۷۹-۸۴
۶۹	" "	" "	۳	۳	ستمبر ۱۹۱۸ء	۱۴۴-۱۴۷
۷۰	" "	یورپ کا جدید طریقہ تعلیم	۲	۸	فروری ۱۹۱۸ء	۴۲-۴۹
۷۱	عبدالقادر (شیخ)	مسعود سعد سلمان	۱	۲	اگست ۱۹۱۶ء	۳۷-۴۹
۷۲	" "	" "	۱	۴	اکتوبر ۱۹۱۶ء	۳۲-۶۸
۷۳	" "	" "	۱	۶	دسمبر ۱۹۱۶ء	۳۱-۴۴
۷۴	" "	" "	۲	۱	جولائی ۱۹۱۷ء	۲۴ — ۳۲
۷۵	عبدالماجد - بی - اے	تشکیک سے مذہب کی تائید ہوتی ہے یا مخالفت؟	۱	۴	اکتوبر ۱۹۱۶ء	۲۳ - ۳۲
۷۶	" "	سلسلہ مکالمات برکلے	۲	۸	فروری ۱۹۱۸ء	۱۷ - ۳۲

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۷۷	عبدالماجد بی - اے	سلسلہ مکالمات برکلے	۲	۹	مارچ ۱۹۱۸ء	۱۷ - ۳۲
۷۸	"	مکالمات برکلے	۲	۵	نومبر ۱۹۱۷ء	۱۳ - ۲۸
۷۹	" "	" "	۲	۶	دسمبر ۱۹۱۷ء	۱۷ - ۳۲
۸۰	" "	" "	۲	۷	جنوری ۱۹۱۸ء	۱۷ - ۳۲
۸۱	" "	یورپ کا فلسفہ اخلاق	۱	۶	دسمبر ۱۹۱۶ء	۱۳ - ۱۶
۸۲	محبوب الرحمٰن کلیم	خطابت	۲	۱۰	اپریل ۱۹۱۸ء	۲۶ - ۳۲
۸۳	" "	"	۲	۱۱	مئی ۱۹۱۸ء	۳۲ - ۴۰
۸۴	" "	علامہ شبلی اور ان کی شاعری	۳	۶	دسمبر ۱۹۱۸ء	۱۳۳ - ۱۳۶
۸۵	محمد اسلم جیراجپوری	محجوب الارث یعنی یتیم پوتوں کی وراثت کا مسئلہ	۳	۱	جولائی ۱۹۱۸ء	۲۵ - ۴۰
۸۶	"	" " "	۳	۲	اگست ۱۹۱۸ء	۱۰۲ - ۱۰۷

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۸۷	محمد رشید الدین صدیقی (مفتی)	تقویت دماغ	۳	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۹ء	۳۶۵ - ۳۷۱
۸۸	محمد سعید انصاری	امم قدیم کے علوم و فنون	۳	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۹ء	۶۵۵ - ۶۷۲
۸۹	" "	فن منطق کی مختصر تاریخ	۱	۷	جنوری سنہ ۱۹۱۷ء	۲۴ - ۳۳
۹۰	" "	" "	۱	۸	فروری سنہ ۱۹۱۷ء	۱۹ - ۲۴
۹۱	" "	" "	۲	۲	اگست سنہ ۱۹۱۷ء	۲۴ - ۳۴
۹۲	" "	نقود العرب قبل الاسلام	۳	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۸ء	۲۴۴ - ۲۵۳
۹۳	محمد فاروق	عرب ایک مستشرق کی نظر میں	۳	۸	فروری سنہ ۱۹۱۹ء	۳۳۳ - ۳۳۵
۹۴	محمد یونس فرنگی محلی	مقدمہ روح الاجتماع	۲	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۸ء	۳ - ۱۶
۹۵	" "	" "	۲	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۸ء	۶ - ۱۶
۹۶	معین الدین ندوی (حاجی)	اسلام میں غلامی کا منظر، ایک اور شہید کی لاش حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ	۱	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۷ء	۳۸ - ۴۳
۹۷	" "	داعی یثرب حضرت مصعب بن عمیرؓ	۱	۹	مارچ سنہ ۱۹۱۷ء	۳۸ - ۴۹

نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	جلد	شمارہ	مہینہ و سال	صفحات
۹۸	معین الدین ندوی (حاجی)	رسم خط کی اجمالی تاریخ	۱	۱	جولائی سنہ ۱۹۱۶ء	۲۶ - ۳۶
۹۹	" "	صحافت یا جرنلزم یعنی اخبار نویسی	۲	۲	اگست سنہ ۱۹۱۷ء	۳۰ - ۵۰
۱۰۰	" "	" "	۲	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء	۳۶ - ۴۷
۱۰۱	" "	" "	۲	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء	۲۳ - ۳۲
۱۰۲	" "	عربی رسم الخط	۱	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء	۲۹ - ۳۶
۱۰۳	معین الدین حسن (منشی)	نوشیرواں عادل	۲	۵	نومبر سنہ ۱۹۱۷ء	۳۱ - ۴۷
۱۰۴	مہدی حسن افادی	حالی و شبلی کی معاصرانہ چشمک[له]	۳	۱۰	اپریل سنہ ۱۹۱۹ء	۵۲۲ - ۵۳۱
۱۰۵	" "	شبلی سوسائٹی	۲	۱۲	جون سنہ ۱۹۱۸ء	۱۶ - ۳۴
۱۰۶	نواب علی (سید پروفیسر)	انسان اور مذہب	۳	۴	اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء	۱۸۵ - ۱۸۸
۱۰۷	" "	داستان آفرینش	۱	۲	اگست سنہ ۱۹۱۶ء	۲۶ - ۳۶
۱۰۸	" "		۱	۳	ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء	۲۴ - ۳۰

له معارف اپریل ۹۹ء کے ص ۲۹۹ پر ۹۹ کا چھپ گیا ہے تصحیح فرمالیں۔

اخبار علمیہ

ریاست کشمیر کی موجودہ بدامنی اور قتل و غارت گری کے واقعات ہر دردمند دل کے لئے باعث قلق و اضطراب ہیں، ماضی میں یہ نہایت خوبصورت خطۂ ارض رواداری اور قومی یکجہتی کا گہوارہ تھا، اس کی تہذیب و ثقافت کی دلکشی میں حضرات صوفیہ کی بابرکت تبلیغی و اصلاحی مساعی اور شعرائے کشمیر کی زمزمہ سنجیوں نے اور اضافہ کیا تھا، موجودہ سیاسی نشیب و فراز نے گو وادی کا رنگ و آہنگ مسخ کیا ہے تاہم بعض حوصلہ مند اب بھی اس کی علمی و تعلیمی روایات کی جوت جگائے ہوئے ہیں۔ جناب عبدالرحمن کوندو نے گذشتہ دنوں اپنے ادارے جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو تعارف ارسال کیا اس سے معلوم ہوا کہ ابھی ابتدائی مرحلے میں ہونے کے باوجود یہ ادارہ علم کو فروغ دینا چاہتا ہے، کشمیر کے اہم علمی مخطوطات و نوادر کا تحفظ اس کا خاص مقصد ہے۔ امید ہے کوندو صاحب کی رہنمائی میں یہ ادارہ ترقی کرے گا۔

کوسووہ قطعہ ارض ہے جہاں خون مسلم کی ارزانی اور غیروں کی عیاری کا مشاہدہ آج سارا عالم کر رہا ہے، ابھی بوسنیا کا غم تازہ تھا کہ اس کے پڑوس میں جزیرہ نمائے بلقان کی یہ مسلم ریاست ظلم و ستم کی داستان کا نیا عنوان بن گئی ہے، قریباً چھ سات سو سال پہلے خلیفہ عثمانی مراد اول کے زمانہ میں ترکی سپہ سالار لالہ شاہین کی حوصلہ مندیوں کی بدولت یہ سارا علاقہ پرچم اسلام کے سایے میں آیا تھا ۱۳۸۹ء میں جون کے مہینہ میں اسی کسووو یا کسووا کے میدان میں ستر سالہ سلطان مراد نے مسیحی اتحادی فوجوں کا شیرازہ اس طرح منتشر کیا تھا کہ

پھر پانچ سو برس تک ان کو ترکوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، لیکن خلافت اسلامیہ کے زوال نے کرگسان یورپ کو نئے بال و پر دیے جس کا مشاہدہ موجودہ کشت و خون سے کیا جاسکتا ہے، البانیہ اور بوسنیا کی طرح کوسووا کے متعلق بھی معلومات کم تھے، لندن کے معاصر رسالہ امپیکٹ کے ایک تبصرہ سے اس موضوع پر ایک پُر از معلومات کتاب کوسووا اے شارٹ ہسٹری کا علم ہوا، اس کے مصنف برطانیہ کے معروف اہل قلم اور صحافی نوئل میلکم وہی ہیں جنھوں نے ۱۹۹۴ء میں بوسنیا پر اسی قسم کی ایک کتاب سپرد قلم کی تھی۔

کوسووا کی یہ تاریخ غیر معمولی تحقیق اور علمی کدوکاوش کا نتیجہ ہے جس میں اصل مقامی زبانوں کی سینکڑوں تاریخی دستاویزوں سے استفادے کے علاوہ معروضی انداز اختیار کیا گیا ہے، فاضل مبصر کا خیال ہے کہ شاید یہی خوبی سربوں کے لئے وجہ ناراضی بن گئی جنھوں نے اپنی جارحیت اور مظالم کی پردہ پوشی کے لئے دروغ گوئی کا طومار باندھ رکھا ہے، کتاب دو حصوں یعنی ماضی اور حال میں منقسم ہے، مصنف کے خیال میں اس خطہ کا نسلی و مذہبی تصادم و تنازعہ صدیوں سے جاری ہے مگر موجودہ کوسووا کا قضیہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں اس وقت شروع ہوا جب یونانی آرتھوڈوکس سربوں اور البانوی مسلمانوں میں نسلی اور مذہبی منافرت کے شعلے تیز ہوئے، کوسووا کے ماضی کے ذکر میں برطانوی مصنف نے یہ اعتراف حقیقت کیا ہے کہ عثمانی خلفاء کا دور خیر و برکت اور امن و سلامتی سے معمور تھا، کلیساؤں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی، مسیحی اور یہودی دونوں قوموں کو اپنے قوانین کے نفاذ اور عدالتوں کے قیام کی اجازت تھی، زور و جبر سے مسلمان بنانے کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں، یہ تجزیہ بھی لائق ذکر ہے کہ عہد خلافت کے آخر میں جب ترکان عثمانی نے پیروی مغرب میں جدید اصلاحات کو ترجیح دے کر یورپ کو اپنا نمونہ بنایا تو اس کی رواداری کی روایات میں بھی کمی آگئی، پھر ترکی کی شکست و ریخت کے نتیجہ میں یہ بلقانی

ریاست یوگوسلاویہ میں شامل کر دی گئی، اس کے سابق سرب صدر ٹیٹو نے گو معتدل رویہ اپنا رکھا تھا تاہم ان کی اقتصادی اور سیاسی منصوبہ بندی کی ناکامی کی وجہ سے یوگوسلاویہ کی قیادت میلوشووچ جیسے سفاک کے ہاتھوں میں آگئی، سلطان مراد اول پر قاتلانہ حملہ کرنے والا بھی اسی کا ہم نام میلوشو بیلووچ تھا جو اپنے کیفر کردار کو اسی وقت پہنچ گیا تھا، اب میلوشووچ کے لیے کسی لالہ شاہین کی منتظر ہے نگاہ۔

نسلی اور طبقاتی کشمکش کی ایک مثال ہندوستان میں دلت جدوجہد بھی ہے، دلتوں کی سیاسی اور سماجی بیداری کا غلغلہ روزافزوں ہے، اب تاریخ و ادب میں بھی یہ رجحان سرایت کرتا نظر آتا ہے، چنانچہ گذشتہ دنوں دہلی میں پہلی بار دلت طبقہ کے تاریخ نویسوں کا اجتماع ہوا، اس دلت ہسٹری کانگریس میں سرکردہ سیاسی شخصیتوں کے علاوہ مشہور ناول نگار اروندھتی رائے بھی شامل ہوئیں لیکن کانگریس پر یہ خیال چھایا رہا کہ دلتوں کو اپنی تاریخ خود مرتب کرنا اور مسلط کردہ اس تاریخ کو رد کرنا چاہیے جس میں دلتوں کو ہندوؤں کا تابعدار غلام بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس کانگریس کے خاص منتظم و ذمہ دار معروف تاریخ نگار سوپن کے بسواس تھے جنھوں نے ایجنڈے کے خلاصہ میں کہا کہ اب تک بیرونی ہندوستانیوں نے اصل ہندوستانیوں یعنی دلتوں کی تاریخ لکھی اب یہ افسانہ ہم خود سنانا چاہتے ہیں۔ بسواس قریب آٹھ کتابوں کے مصنف اور برہمنیت دشمنی کے لیے مشہور ہیں، کانفرنس میں عثمانیہ یونیورسٹی کے کنچا الیا بھی شامل تھے، جن کی کتاب ’وہائی آئی ایم ناٹ اے ہندو‘ کو ادھر بڑی شہرت و اہمیت حاصل ہوئی ہے، ان کے خیال میں دلتوں کی تاریخ نگاری اس لیے ضروری ہے کہ اب تک کوئی بھی ہندوستانی مورخ غیر جانبدار نہیں نظر آیا، پس ذاتی تجربات کی بنیاد پر فطری تاریخ ORGANIC HISTORY لکھنا ضروری ہے، ان کا لہجہ

اس اظہار میں بڑا تلخ ہو گیا کہ قومی مورخ گاؤں جاتے ہیں اور اعلیٰ ذات کے لوگوں کے گھر قیام کرکے ہندوستانی دیہات کی تاریخ کی ترجمانی کا فریضہ انجام دینے لگتے ہیں، جھونپڑیوں میں جاکر لکھنے والا ہی معتبر و صادق ہو سکتا ہے، لیکن اس اجتماع میں چند آوازیں مختلف بھی تھیں مثلاً جواہر لال یونیورسٹی کے پروفیسر نندورام اور مشہور مورخ کے این پانیکر کا خیال تھا کہ انتہا پسندانہ جذبات کے عمل دخل سے دلتوں کی متنوع شناخت نظر انداز بھی ہو سکتی ہے عام دھارے سے جدا رہ کر دلت اپنے مظالم و شدائد کو کیسے سمجھ سکتا ہے، ایسی جذباتی کوششوں کا انجام خود شکستگی ہے، نندورام کی نظر میں اب تک مجموعی ہندوستانی سرمایہ تاریخ کو محض ریاکاری اور کار عبث قرار دینا اور تمام مورخوں کو برہمنی ذہنیت کا حامل قرار دینا زیادتی ہے، کسی علمی و تاریخی مسئلہ کو سیاسی رنگ دینا مناسب نہیں، بہرحال اس نئے طرز فکر میں مستقبل کی تاریخ نویسی کے لیے دلچسپ امکانات نظر آتے ہیں۔

تاریخ کے موضوع پر ایک اور دلچسپ کتاب ’دی ہسٹری آف ہندوز، دی ساگا آف ڈیفیٹس‘ (تاریخ ہندوان شکستوں کی داستان) کا ذکر اخبار ہند میں نظر سے گزرا، ڈاکٹر سریندر کمار شرما کی اس کتاب کے متعلق لکھا گیا کہ انہوں نے ہندو طرز حیات پر سخت تنقید کرتے ہوئے اس کو ہندوستانی معاشرہ کے لیے ضرر رساں بتایا ہے، ان کی نظر میں یہی ہندومت کے زوال اور صدیوں تک متواتر غلامی کا سبب ہے، اس سے وہ شکست و ریخت سے دوچار ہوا اور ہندو دھرم کی غلطیاں ہی اس کے زوال کی بنیاد ثابت ہوئیں۔ موجودہ دور میں عام رجحان ہندو مذہب کو مزین و مجلی کر کے پیش کرنے کا ہے، انہوں نے اس کے برخلاف یہ کتاب لکھ کر بقول خود ایک ناپسندیدہ عمل کا ارتکاب کیا ہے، لیکن ان کو ہندو مذہبی راہنماؤں کی اس ناپسندیدگی کی فکر نہیں جن کو وہ زمانہ کے تغیر و تبدل سے ناآشنا قرار

دیتے ہیں کیوں کہ ان کی نظر میں کتاب ہندو مخالف نہیں ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ تنقید واحتساب سے گزر کر ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کیا جائے۔

اپنی اپنی شناخت کی تلاش میں سرگرداں ہندوستانیوں کی ان کاوشوں سے دور مغرب کے سائنس داں عالم افلاک کی پیمائش میں حیران و پریشان ہیں، چنانچہ نیومیکسیکو کی ایک دور دراز رصدگاہ میں اب تک کی سب سے بڑی مہم اس مقصد کے لیے شروع کی گئی ہے، ،، ملین ڈالر کے صرفہ والی اس مہم کا نام۔ SLOANDIGITAL SKY SURVEY۔ رکھا گیا، اس کے لیے بڑا اور پیچیدہ کیمرہ بھی تیار کر لیا گیا ہے جو کائنات کے معائنہ کے لیے سابقہ کسی بھی کوشش کے مقابلہ میں چالیس گنا بڑا ہے، یہ کیمرہ بیک وقت تین جہتوں سے اور پانچ رنگوں کی تصویریں حاصل کرے گا، اس پیمائش کی تکمیل کے بعد عالم افلاک کا ایسا اطلس بھی تیار کیا جائے گا جو موجودہ نقشوں اور جدولوں سے سو گنا واضح وصاف ہوگا، اس میں ..ا ملین کہکشاؤں کی تعیین ہوگی، ان تصاویر کو اس طرح فراہم کیا جائے گا کہ کوئی بھی شخص ان کو کمپیوٹر پر دیکھ سکے گا۔

ایک اور دلچسپ خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں انسان کے دست ہنر کی مشاقی ومہارت کم نہ تھی، برمنگھم ینگ یونیورسٹی کے متحف میں چھ مصری حنوط شدہ لاشیں (ممیاں) موجود ہیں، محققین ان کے جائزے میں مصروف تھے کہ معلوم ہوا ایک لاش کی ٹانگ کٹی ہوئی تھی جس کو ران اور پنڈلی کے درمیان ایک آلہ کے ذریعہ رال یا از قسم گوند کسی شئے سے بڑی مہارت اور صفائی سے جوڑا گیا ہے، شروع میں خیال ہوا کہ شاید یہ عمل اسی دور میں ہوا ہو لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ ڈھائی ہزار سال پہلے کی اس لاش کا یہ آپریشن بھی اسی قدیم دور کا ہے، اپنی نوع کی یہ پہلی معلوم مثال ہے، ممی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مصر کے ایک پجاری اسرمونتو کی لاش ہے، اس عمل کا مقصد شاید یہ تھا کہ مابعد موت کی زندگی میں یہ جسم درست اور صحیح سالم رہے۔

ع۔ ص۔

معارف کی ڈاک

یتیم خانہ یا بچوں کا گھر

یتیم خانہ اسلامیہ گیا

چرکی، بہار (ہندوستان)

۷؍۴؍۱۹۹۹ء

محترمی ومکرمی جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب! السلام علیکم

معارف کے ساتھ ساتھ اس کے شذرات بہت قیمتی ہوا کرتے ہیں، جس کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ شذرات مختصر مگر جامع ہوتے ہیں۔

مارچ ۱۹۹۹ء کے معارف میں عبد الحق فلاحی صاحب کا خط نظر سے گذرا جس میں لفظ "یتیم خانہ" پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کیا لفظوں کی ہیر پھیر سے کسی چیز کی خاصیت بدل جائے گی۔

"یتیم خانہ" کے بجائے "بچوں کا گھر" جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم کی دین ہے۔ وہ بہار کی گورنری کے زمانے میں جب یتیم خانہ اسلامیہ گیا چرکی تشریف لائے تو دہلی کی مثال دے کر اس کا بھی نام بدل دینے کے لیے کہا۔ اس وقت ادارہ کے بانی زندہ تھے۔ وہ نام تبدیل کرنے پر رضامند نہیں ہوئے اور فرمایا کہ نام بدل دینے سے نہ تکلیف دور ہو سکتی ہے اور نہ یتیمی کے داغ کو مٹایا جا سکتا ہے۔ یتیمی کے داغ کو دھونے کے لیے قوم ضرورت کی ساری چیزیں ان یتیموں کے لیے مہیا کرے جس طرح

ایک باپ اپنے بیٹے کے لیے کیا کرتا ہے۔ نام کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہوتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم تھے، قرآن مجید میں یہ لفظ بار بار آیا ہے۔ دہلی میں جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم نے جب "یتیم خانہ" کا نام بدل کر "بچوں کا گھر" رکھا تھا تو مجھے یاد ہے کہ اس وقت بہت سی آوازیں اٹھی تھیں۔ ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ میں کسی صاحب کی کتاب پر تبصرہ بھی شایع ہوا تھا جو نام کی تبدیلی یعنی "بچوں کے گھر" پر تھی۔

بعض ادارے مالی وسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتے اس لیے چندوں پر انحصار کرنا ہی پڑتا ہے۔ سفر کی وجہ سے روزے قضا کرنے اور نماز وتراویح کا التزام نہ کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں لیکن عام محصلین ایسا نہیں کرتے ہیں۔ سارا مسئلہ چندہ دہندگان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ چندہ وصول کرنے والے بے چارے بہت سارے لوگوں کے دروازوں پر صبح شام اور دن رات چکر لگاتے ہیں تب چندہ ملتا ہے، بعض کو کئی کئی دنوں تک دوڑایا کرتے ہیں، چندہ مانگنے والے تو دروازے پر پہونچ کر احسان کرتے ہیں مگر دینے والے الٹا سمجھا کرتے ہیں۔ یاددہانی کے خطوط سے قوم کے کتنے افراد ڈاک سے رقم بھیجا کرتے ہیں جن کو خدا کا خوف ہے۔ نیکی کا احساس ہے وہ تو فوراً ڈاک سے بھجوا دیا کرتے ہیں۔ یاد رکھیں ملت کا کام شروع سے اسی طرح چلتا آرہا ہے خدا ہی دیتا اور دلاتا ہے۔ عبدالحق صاحب کو ان کاموں کا علمی تجربہ نہیں ہے اس لیے وہ اس طرح کے ناقابل عمل مشورے دیتے ہیں۔ اللہ کرے آپ صحت وخیریت سے ہوں۔

فقط والسلام دعاگو ودعاخواہ

اقبال احمد خاں نائب ناظم یتیم خانہ اسلامیہ گیا۔

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

تحقیق (شمارہ خاص) مدیر جناب ڈاکٹر نجم الاسلام عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۱۰۴۸، قیمت ایک سو چالیس روپے پاکستانی، پتہ: شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی کیمپس جام شورو ۷۶۰۸۰ سندھ پاکستان۔

سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے اس مجلہ کے گذشتہ شماروں کا ذکر ان صفحات میں پہلے بھی آچکا ہے اس شمارہ خاص سے بھی موضوعات کے حسن انتخاب اور مرتب کی محنت وسلیقہ کا پتہ چلتا ہے، سندھ یونیورسٹی کی پچاسویں سالگرہ پر اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے ۱۰۴۸ صفحات پر مشتمل اس مجلہ کا خاص موضوع تحقیق منسوبات ہے مشاہیر کے ملفوظات وتالیفات اور کلام میں جعلی والحاقی مضامین یا کسی ادبی کاوش کا غلطی سے دوسرے سے منسوب ہوکر مشہور ہونے کا مسئلہ خاصا قدیم ہے معارف اور دیگر علمی رسائل میں وقتاً فوقتاً اس قسم کے علمی وادبی الحاقات پر اہل تحقیق کی نگارشات آتی رہتی ہیں، زیر نظر شمارہ میں ایسے قریب ۶۵ مضامین یکجا کیے گئے ہیں، خود فاضل مدیر کے قلم سے اس موضوع پر چند عمدہ تحریریں بھی ہیں، اس طرح اس فن سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ مجلہ دستاویزی حیثیت کا حامل ہوگیا ہے مدیر معارف کے دو مضامین تفسیر کبیر اور اس کا تکملہ اور عون المعبود کا مصنف کون ہے بھی شامل اشاعت ہیں، فاضل محقق ڈاکٹر نذیر احمد کے قریباً ۱۳ مضامین بھی زیب صفحات ہیں، چیدہ مقالات کا باب بھی ہے اور ایک اہم گوشہ نامور محقق نبی بخش بلوچ کی قابل قدر علمی خدمات کے اعتراف کے لیے خاص

کیا گیا ہے جو ان کے حالات اور چند منتخب مضامین کے لیے مختص ہے، ایام گذشتہ کے چند اوراق میں انہوں نے اپنے ماضی کی داستان لطف و لذت سے سنائی ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعلق ان کے تاثرات آج بھی لائق غور و فکر ہیں، ایک اور دلچسپ مضمون میں انہوں نے اپنے فاضل استاذ مولانا عبدالعزیز میمنی کی یادوں کو قلم بند کیا ہے، یہ تحریر بھی بجا دلچسپ اور مفید ہے، البتہ بعض باتیں تشریح طلب ہیں مثلاً ص ۱۰۱ پر تاریخ صقلیہ کے متعلق علامہ میمنی کے خیالات، جن کی وضاحت و تنقیح کے لیے اب متعلقہ حضرات میں کوئی بھی موجود نہیں، ایک جگہ منشی امیر اللہ تسلیم کو شاگرد غالب لکھا گیا ہے جو قطعی درست نہیں، آخر میں ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مختار الدین احمد کے چند علمی خطوط بھی ہیں، اتنے ضخیم شمارہ میں کمپوزنگ کے اغلاط بہت کم ہیں، لیکن آسفہ زمانی کے مضمون میں ص ۲۹۶ پر مہمل کو محمل دیکھ کر نگاہ ضرور ٹھہر جاتی ہے، اس بیش قیمت ارمغان علمی کے لیے فاضل مدیر اور جامعہ ہمدرد ستائش اور مبارکباد کے مستحق ہیں، ہر صاحب ذوق کے ذخیرہ کتب میں اس شمارہ کو ضرور شامل ہونا چاہیے۔

غالب نامہ (دوسو سالہ جشن ولادت نمبر) مدیر اعلیٰ جناب ڈاکٹر نذیر احمد، بہترین کاغذ و طباعت، صفحات ۳۲۱، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، غالب مارگ، نئی دہلی ۲۔

مجلہ غالب نامہ، غالب اور ان کے حوالہ سے اردو تحقیق و تنقید کا دامن مضامین نو سے معمور کر رہا ہے، یہ نمبر غالب پر ہونے والے سمینار کے ان مقالات پر مشتمل ہے جو عہد غالب کے فکری و علمی رجحانات، ان کے کلام کی معنویت اور ان کے عہد کے مشہور علمی و ادبی معرکے جیسے موضوعات سے متعلق تھے، فاضل مدیر کے خیال میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہونے کی وجہ سے غالب کے کلام کی دلکشی و اثر آفرینی آیندہ بھی زندہ و تازہ رہے گی، اس لیے غالبیات میں اضافہ کی

گنجائش بھی باقی رہے گی، خصوصاً ان کی فارسی شاعری اب بھی خصوصی مطالعہ و فکر کی منتظر ہے، اس شمارہ میں اس کمی کی تلافی کی کوشش بھی نمایاں ہے، دوسرے اور مضامین میں انیس و دبیر کے شخصی رویے، نگارستان سخن میں کلام ذوق اور تلفظ کے مسائل بھی شامل ہیں۔

مجلہ اقبالیات (گولڈن جبلی پاکستان، خصوصی نمبر) رئیس تحریر جناب محمد سہیل عمر، بہترین کاغذ و طباعت، صفحات ۲۳۰، قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے، سالانہ ۱۰۰ روپے (پاکستانی) پتہ: اقبال اکادمی پاکستان، ایوان اقبال، لاہور۔ پاکستان۔

اقبال اکادمی پاکستان کا یہ رسالہ اکادمی کی مطبوعات کے مانند علامہ اقبال کے افکار و نظریات کی بہیم تبلیغ و ترویج میں مصروف عمل ہے، پاکستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ کی مناسبت سے زیر نظر شمارہ کو خاص نمبر کی شکل دی گئی اور گیارہ ابواب میں جدا جدا موضوعات پر عمدہ مضامین یکجا کر دیے گئے ہیں، علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء کا پس منظر خاص طور پر لائق ذکر ہے جو بڑی محنت سے لکھا گیا اور پُر از معلومات ہے، علامہ مرحوم کے مشہور انگریزی خطبات کا ترجمہ گذشتہ شماروں میں بھی آچکا ہے، اسی سلسلہ کا خطبہ چہارم "انسانی خودی اور اس کی آزادی اور لافانیت" اس شمارہ میں شامل ہے، ایک اور مفید باب "اخبار اقبالیات" کے عنوان سے ہے جس سے بلجیم، ترکی اور تاجکستان میں فیضان اقبال کا اندازہ ہوتا ہے۔

ماہنامہ سیارہ (اشاعت خاص) مدیر مسئول جناب حفیظ الرحمن احسن، خوبصورت سرورق، عمدہ کتابت و طباعت، صفحات ۲۷۲، قیمت ۴۸ روپے، سالانہ ۳۰۰ روپے، پتہ: ایوان ادب، چوک اردو بازار، لاہور۔ پاکستان۔

اسلام کے ادبی و شعری نظریات کی ترجمانی میں ماہنامہ سیارہ ابتدا سے سرگرم عمل ہے، یہ خاص نمبر بھی رسالہ کی اصل خصوصیات کا عکاس ہے، افسانوں، غزلوں، نظموں، طنز و مزاح

اور سفرناموں کے ساتھ علامہ اقبال اور مولانا مودودی کے متعلق بھی عمدہ ادبی تحریریں موجود ہیں گوشۂ اقبالیات میں پروفیسر ایوب صابر نے علامہ اقبال پر مجنوں گورکھپوری کے اعتراضات اور علامہ کے خاندان کی کردارکشی کے عنوانات سے دو مضامین میں اچھا محاکمہ اور تجزیہ کیا ہے، حمد و نعت کا حصہ قدرتاً زیادہ نمایاں ہے، خصوصاً عبدالعزیز خالد کی نظم 'ھللویاہ' الفاظ کی ثروت اور جذبات کی فراوانی کی وجہ سے بار بار پڑھنے کے لائق ہے مقالات و فکر و فن کے ابواب کے تحت بھی بڑی اچھی تحریریں آگئی ہیں البتہ بعض مضامین میں ادعائی لب و لہجہ سنجیدگی و متانت تحریر کو متاثر کرتا ہے مثلاً مولانا مودودی کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ اردو کے سب سے زیادہ مقبول، سب سے زیادہ چھپنے والے اور پڑھے جانے والے مصنف ہیں، یہ موجودہ زمانہ کی گنیز بک آف ریکارڈس کے مہمل دعووں کا اثر تو نہیں ؟ یا مطلق طور پر یہ کہنا کہ مولانا مرحوم کے علاوہ اکابر میں کسی نے کوئی مستقل علمی اور فکری تحریک پیدا نہیں کی اور موجودہ دور میں ان کے علاوہ سبھی جذباتیت کی غیر معتدل روش پر گامزن رہے وغیرہ، اس قسم کے جملوں کے بغیر بھی مولانا کے فضل و کمال کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

تزکیۂ نفوس

مدیر جناب عبداللہ اسرار، عمدہ کاغذ و طباعت، خوبصورت سرورق، صفحات ۸۰، قیمت فی شمارہ ۱۰ روپے، پتہ: ادارہ کشف الاسرار خانقاہ اسراریہ، منگراواں، اعظم گڈھ۔ یوپی۔

اعظم گڈھ میں سلسلہ مجددیہ کی داغ بیل پہلے مولانا محمد سعید مجددی نے ڈالی جس کے فیضان کو عام کرنے میں ان کے نواسے اور خلیفہ خاص مولانا شاہ اسرارالحق مجددی مرحوم نے بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ ان کے انتقال کے بعد اب اصلاح و تزکیہ نفوس کی امانت و ذمہ داری ان کے برادر خورد شاہ احسان الحق کے سپرد ہوئی، ان کے ایما سے خانقاہ کی جانب سے اس رسالہ کا اجرا عمل میں آیا جو عام فہم اور پُر اثر دینی و اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے، توقع ہے کہ اس سے عام لوگوں اور طالبین کو فائدہ پہونچے گا۔

ع۔ص۔

مطبوعات جدیدہ

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

از جناب مولانا سید جلال الدین عمری، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد صفحات ۳۲۰، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔ یوپی ۲۰۲۰۰۱۔

مولانا جلال الدین عمری کی اور کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی موجودہ زمانہ کے ایک مسئلہ سے تعلق رکھتی ہے، غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے روابط کی بحث نئی نہیں لیکن مسلم ملکوں کے علاوہ ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یا سیاسی غلبہ و اقتدار سے محروم ہیں اس مسئلہ کے جدید تقاضوں کا جائزہ ضروری تھا، حقوق انسانی کے موجودہ مغربی شور و غوغا میں اسلام کے انسانی منشور کی اہمیت دانستہ نظرانداز کرنے کی ایک مہم جاری ہے اور جبر و ظلم، تعصب اور انتہاپسندی کے الزامات اس طرح عائد کیے جاتے ہیں گویا اسلام نے غیر مسلموں کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر رکھا ہے، فاضل مصنف کے خیال میں ان خیالات کی تہہ میں ناواقفیت اور بدگمانی کے متعدد تاریخی عوامل کے ساتھ خود مسلمانوں کی کوتاہی کا کم قصوروار نہیں جنھوں نے اس باب میں سنجیدہ علمی انداز میں اسلام کے موقف کی ترجمانی ہی نہیں کی، اسی احساس کے پیش نظر انھوں نے غیر مسلموں سے خاندانی، معاشرتی، ازدواجی، کاروباری اور عام انسانی تعلقات کے متعلق اسلامی احکام و آداب کو تفصیل سے پیش کیا اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق، جہاد و جزیہ، بین الاقوامی تعلقات جیسے مباحث پر سیر حاصل بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے اپنوں اور غیروں کے درمیان اجنبیت کی دیوار کھڑی کرنے کے بجائے دونوں

کے روابط کو سماجی، معاشرتی اور معاشی ضرورت کا تصور دیا ہے، مولانا نے قرآن وحدیث و فقہ کی روشنی میں بڑی معقول و متوازن بحث کی ہے، فقہاء کی تعبیرات کا جائزہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، حدود حرم میں غیر مسلموں کے داخلہ کے متعلق اختلاف فقہاء کی وضاحت کے بعد لکھا کہ "اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں عرفات اور مزدلفہ میں ذمی کا داخلہ ممنوع نہیں ہے تو یہی حکم خانہ کعبہ کا بھی ہوگا"، اسی طرح غیر مسلم کی گواہی قبول کرنے کی بحث میں انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ "مسلمانوں کے معاملات میں ان کی شہادت کے معتبر ہونے کی گنجایش نکلتی ہے"، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو ہندی اور انگریزی میں بھی شایع کیا جائے، مگر مولانا نے جہاں اس مسئلہ میں ناواقفیت، بدگمانی اور مسلمانوں کی کوتاہی اور دوسرے عوامل کا ذکر کیا ہے وہاں ان غیر مسلموں کا ذکر نہیں کیا ہے جو شرارتاً اور دانستہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں، آیات قرآنیہ کی تصحیح پر خاص توجہ کی گئی ہے لیکن ص ۱۶۲ پر وآخران کی جگہ واخرن چھپ گیا ہے۔

اردو سوانح نگاری آزادی کے بعد (۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۰ء) از جناب ڈاکٹر حسن وقار گل، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۹۲، قیمت ۴۵۰ روپے، پتہ: ویلکم بک ڈپو (پرائیوٹ لمیٹڈ) مین اردو بازار، کراچی پاکستان

اردو میں سوانح نگاری کے قبول عام فن کی مکمل تاریخ کی ضرورت اس کتاب کی وجہ تالیف ہے، عرصہ ہوا لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈاکٹر سید شاہ علی نے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی تھی، بعد میں ان کا مقالہ کتابی شکل میں شایع بھی ہوا لیکن آزادی کے بعد یہ موضوع تحقیق طلب ہی رہا، چند مقالات کے علاوہ کسی اور مفصل و مکمل کاوش کا پتہ نہیں چلتا، خوش قسمتی سے لائق مولف کا یہ تحقیقی مقالہ ڈاکٹر سید شاہ علی ہی کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہونچا، جانفشانی

و دیدہ ریزی، وسعت مطالعہ و تلاش و تحقیق نے بجا طور پر اس کو ایک علمی و تحقیقی کارنامہ بنا دیا ہے، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۰ء تک قریب پچاس سال کے سوانحی ادب کا احاطہ و استقصاء آسان کام نہیں لیکن حتی المقدور ہر کتاب تک رسائی حاصل کی گئی اور اس کا تعارف سلیقہ و جامعیت سے پیش کیا گیا، ابواب کی درجہ بندی خاص طور پر ذکر و تعریف کے لائق ہے، پہلے باب میں اردو سوانح نگاری کا عمومی جائزہ ہے، پھر علمی ادبی اور فنی سوانح عمریوں کی تقسیم مستقل و مختصر جزوی اور اجتماعی خانوں میں کی گئی اور سیاسی، سماجی اور تاریخی شخصیات کو اہل فلسفہ و مذہب سے میز کیا گیا، ایک باب میں صرف آپ بیتیوں کا ذکر ہے تو دوسرے میں شخصی مرقعوں اور خاکوں کی تفصیل ہے، اس طرح چھ ابواب میں بالاستیعاب جائزہ کے بعد آخری باب میں مجموعی طور پر موضوع، مواد، اسلوب وغیرہ کا تجزیہ کیا گیا ہے، لائق مصنف نے عملی تنقید و تبصرہ کے علاوہ تاثراتی تنقید کی اچھی مثالیں پیش کی ہیں، مثلاً بزم رفتگاں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ سید صباح الدین لکھنے کے دوران وفور جذبات سے دل کو قابو میں رکھنے کے قائل ہی نہ تھے، یہ جوہر خالصتاً مشرقی مزاج کی ترجمانی کرتا ہے" البتہ ایک جگہ ہم نامی کی وجہ سے سخت التباس ہو گیا ہے، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی کتاب حیدر حسن خاں کو انہوں نے مولانا عبدالسلام ندوی سے منسوب ہی نہیں کیا، سیرت عمر بن عبدالعزیز، امام رازی اور اقبال کامل کی روشنی میں اس کا مقام بھی متعین کرنے کی کوشش کی، اصلاً یہ مولانا قدوائی ندوی کا مضمون ہے جسے رسالہ کی شکل میں شایع کیا گیا تھا۔

سرود رفتہ از جناب امیر چند بہار، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، خوشنما سرورق، مجلد، صفحات ۳۶۰، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، بہار۔

جناب امیر چند بہار اردو کے بزرگ ادیب و شاعر و مترجم ہیں، ان کا تعلق پنجاب کی خاک سے اٹھنے والی اس نسل سے ہے جس کے خمیر میں اردو کا عشق شامل تھا، ان کو تلوک چند محروم کی ہم وطنی کا شرف حاصل ہے، عرصہ ہوا ان کی کتاب "نسیم مغرب" شایع ہوئی، انگریزی کی منتخب نظموں کے ترجموں پر مشتمل اس کتاب نے ارباب ذوق و نظر سے خراج تحسین حاصل کیا تھا، اب زیر نظر کتاب اس لحاظ سے منفرد و ممتاز ہے کہ اس میں قریب تین سو شعرائے مرحومین کو ایک ایک قطعہ کے ذریعہ اس طرح یاد کیا گیا ہے کہ ان کا امتیاز اور وصف خاص نمایاں ہو جائے، ہر شاعر کی تاریخ اور جائے پیدائش و وفات بھی سنہ عیسوی کے حساب سے لکھی گئی، کہیں کہیں ہجری سن بھی ہے اور یہ سب مستند ماخذ کے حوالہ سے ہے، اختلاف آرا کی شکل میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں، اکثر شعرا کی تصویریں بھی ہیں، مثال کے طور پر شوق قدوائی کے متعلق قطعہ و دیگر تفصیل:

سب "عالم خیال" کو پڑھتے ہیں شوق سے — اردو ادب میں اس کی ملے گی کہاں مثال
اس مثنوی میں ایک اضافت کہیں نہیں — بیشک جناب شوق کا ہے خاص یہ کمال

ولادت ۱۸۵۳ء جگور، وفات ۲۷ اپریل ۱۹۲۵ء گونڈہ۔

عبدالقادر سروری کے مطابق ۱۹۲۰ء میں ان کا انتقال ہوا (جدید اردو شاعری ص ۱۶۷)

پیرانہ سالی اور مسلسل جسمانی عوارض کے باوجود ان کی یہ جاں سوزی و دیدہ ریزی نہایت قدر کے لائق ہے، اردو زبان کی خدمت و محبت میں وہ جس جذبہ سے سرشار ہیں، اس کا اندازہ شروع میں ان کی تحریر "شان نزول" سے ہوتا ہے، کاش یہ جذبہ اور اردو والوں کے رگ و پے میں سرایت کر جائے، خدا بخش لائبریری نے اس اچھوتی کتاب کو شایع کر کے قدر شناسی کا ثبوت دیا ہے۔

ع۔ ص۔